بیاد: حضرت الحاج حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ

دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماهنامه نقوش اسلام

Issue.No.3,4 | جون/ جولائی ۲۰۱۹ء June,July2019 | VOL.No.14

مجلس سرپرستان

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسار پوری
شیخ طریقت حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی
پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی

مجلس مشاورت

مولانا سید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی
مولانا سید الرحمٰن فیضی ندوی — مولانا محمد اکرم ندوی
مولانا محمد عامر صدیقی ندوی — الحاج موسیٰ اسماعیل درسوت
مولانا محمد احمد صالح جی، — مولانا حسن مرچی
مولانا یحییٰ بام، مولانا رشید احمد ندوی، مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

❁ مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

چیف ایڈیٹر

محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی

ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masoodazizi94@gmail.ocm
www. nuqoosheislam.com , www. mifiin.org
ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفر آباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ..................۲۰/روپے
سالانہ......................۲۴۰/روپے
خصوصی...... ......۵۰۰۰/روپے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
Mob: 09813806392

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD FURQAN
PRINTEDAT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

iles\A017.TI not found.

Files\A025.TIF not found.

iles\A017.TI not found.

اس شمارے میں

عناوین	صفحہ	مضمون نگار
گوشہ		
حضرت مولانا افتخارالحسن صاحب کاندھلویؒ		
اداریہ		
حضرت مولانا افتخارالحسن صاحب کاندھلویؒ	۳	محمد مسعود عزیزی ندوی
تأثرات		
حضرت مولانا افتخارالحسن ایک محترم اور بزرگ شخصیت	۸	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
نقوش رفتگاں		
مرد باخدا کی رحلت-ایک بہت بڑا خسارہ	۱۰	مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی
سوانح		
حضرت مولانا افتخارالحسن صاحب قدس سرہ	۱۶	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری
رہنمائے طلبہ	۱۸	
طلبہ تحریک کے مقاصد اور اہم وسائل		ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی
عظمت دین	۲۳	
مدارس اسلامیہ دین کے مضبوط قلعے ہیں		محمد مسعود عزیزی ندوی
یاد رفتگاں	۲۸	
آہ! مولانا محمد غزالی ندویؒ		مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی لکھنؤ
تجزیہ	۳۰	
زبان وادب میں اردو کی کرشمہ سازی		مولانا افتخار احمد قاسمی، اکل کوا
تاریخ کے جھروکے	۳۷	
ابونصر فارابی		محمد سراج الدین، بنگلور
احساسات	۴۰	
مرسی تو زندہ، تیرا پیغام بھی زندہ		مولانا فتح محمد ندوی، سہارنپور
فکروعمل	۴۲	
قبر میں پیش آنے والی باتیں		مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	............۳۰۰۰
// // اول اندرونی	// //	............۲۵۰۰
// // آخر اندرونی	// //	............۲۰۰۰
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	............۱۰۰۰
آدھا صفحہ اندرونی		............۶۰۰
¼ صفحہ //		............۴۰۰

○ اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہورہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زرتعاون مبلغ ۲۴۰ روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کراکے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفرآباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

ادار یہ

حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہ

محمد مسعود عزیزی ندوی

حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کا نام نامی اسم گرامی رائے پور کے زمانہ طالب علمی ۱۹۹۲ء میں سنا تھا کہ کاندھلہ میں ایک بزرگ ہیں اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے خلفاء میں سے ہیں، نیز اپنے شیخ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے بھی آنے جانے والوں کے توسط سے حضرت مولانا کی خبریں ملتی رہتی تھیں، چونکہ حضرت مولانا کے بعض واقف کار رائے پور خانقاہ میں حاضر ہوتے تھے، تو حضرت حافظ صاحب سے بھی ملاقات کرتے تھے، چنانچہ اسی زمانہ میں بزرگوں کی خدمت میں خطوط لکھنے کا شوق وجذبہ پیدا ہوا تو حضرت مولانا کی خدمت بابرکت میں بھی ایک عریضہ تحریر کیا، جس میں اپنا تعارف کرایا، اپنے لیے دعا کی درخواست کی، پھر حضرت والا سے نصیحت طلب کی جس پر حضرت کی طرف سے یہ شفقت نامہ آیا، جس پر ڈاکخانہ کی مہر ۶-۹-۹۳ء کی ہے۔

۱- مکرم ومحترم...... مدفیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مرسلہ گرامی نامہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، بندہ آپ کے واسطے بدل وجان دعا کرتا ہے، نصیحت کے بارے میں تحریر فرمایا مختصر یہ ہے گناہ سے اپنے کو بچایا جائے، ہوجائے تو توبہ کی جائے۔ والسلام

العبد افتخار الحسن

دو تین ماہ بعد پھر حضرت کی خدمت میں ایک خط تحریر کیا، اس کا مضمون بھی تقریباً حسب سابق تھا، دعاؤں کی درخواست اور نصیحت کی گذارش کی تھی، جس پر حضرت مولانا کا یہ والا نامہ آیا:

۲- عزیز محترم...... زادت عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا کارڈ موصول ہوا، یاد فرمائی کا شکریہ، بندہ آپ کے لیے بدل وجان دعا کرتا ہے، اللہ تعالی علم سے نوازیں اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں، فجر کی نماز کے بعد اور مغرب کی نماز کے بعد درود شریف تین تین بار، الم نشرح سات مرتبہ پڑھتے رہیں۔

والسلام

۹۳/۱۲/۲۹ء بندہ افتخار الحسن کاندھلوی

(بقلم) محمد شعبان خادم حضرت والا

آئندہ سال جب راقم سطور عالیہ اولی (عربی پنجم) میں پڑھنے کے لئے مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور تکیہ کلاں رائے بریلی

میں حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے وطن گیا تو وہاں سے حضرت مولانا کی خدمت عالیہ میں ایک خط تحریر کیا، جس میں اپنا تعلیمی منصوبہ اور رائے بریلی میں داخلہ کی اطلاع اور وہاں کے فکری، علمی اور روحانی ماحول کے متعلق لکھا، دعاؤں کی درخواست کی اور نصیحت طلب کی، جس پر حضرت مولانا کا یہ معزز نامہ موصول ہوا:

۳- مکرم ومحترم جناب مولانا مسعود صاحب مد فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

عرصے کے بعد گرامی نامہ موصول ہوا، جس سے تکیہ شریف میں قیام سے بھی باشرف ہونا مبارک ہے، اس کو بہت ہی غنیمت جانئے گا، آپ نے تکلیف فرمائی کہ میں لکھوں، تعجب ہوا، آپ ایسے دریا کے قریب ہیں کہ جس ذات عالی کو اللہ نے علم باطنی وظاہری کامل ومکمل عطا فرمایا۔

حضرت اقدس (مولانا شاہ عبدالقادر صاحب) رائے پوری سے بارہا یہ ارشاد عالی سنا کہ علماء اگر کوئی اور مجاہدہ نہ کریں تو کوئی حرج نہیں، صرف اتنا بھی کافی ہے کہ جو عمل پڑھتے وقت کوئی بھی عمل ہو اور خصوصیت سے درس تدریس اور ارشاد وتلقین کا، اللہ کی رضا کی نیت کرلی جائے، رسول پاک علیہ الصلوۃ والسلام کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی دعا پڑھیں تو بہت ہی اچھا "اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِيْ مِنَ الرِّيَاءِ وَلِسَانِيْ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الأَعْيُنِ وَمَاتُخْفِي الصُّدُوْرُ"۔

حضرت مولانا علی میاں صاحب سے بشرط سہولت سلام عرض کردیں اور دعا کی درخواست، اہلیہ کی صحت کیلئے (بھی) دعا کردیں۔

فقط والسلام

بندہ افتخار الحسن کاندھلوی

چند ماہ بعد حضرت کو ایک خط پھر تحریر کیا اور دعاؤں کی درخواست کے ساتھ نصیحت کیلئے لکھا، تو حضرت والا کا یہ مکتوب گرامی ملا:

۴- مکرم ومحترم...... مد فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے، آپ کا مرسلہ گرامی نامہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، بندہ آپ کے لیے بدل وجان دعا کرتا ہے، حق تعالی ہر قسم کے شرور ومکارہ سے حفاظت فرما کر ہر نوع کی ترقیات سے نوازے، بندے کی بھی (دعا کی) درخواست ہے، اور چاند نظر آجانے کے بعد سے عشاء کے بعد تین تسبیح "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم" کی پڑھتے رہیں پابندی سے، اور ہر نماز کے بعد بیس مرتبہ استغفار۔

والسلام

ازطرف بندہ افتخار الحسن کاندھلوی

اس کے بعد رمضان المبارک ۱۴۱۵ھ میں جب یہ نامہ سیاہ اپنے شیخ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ کے حالات پر کتاب لکھ رہا تھا، تو حضرت حافظ صاحب کے بارے میں بعض معاصرین کی آراء اور ان کے تأثرات جاننے کیلئے کئی معاصرین کو خطوط لکھے، جن میں حضرت مولانا کو بھی ایک خط لکھا، جس کا جواب نہ مل سکا، پھر یاددہانی کے طور پر دوبارہ خط لکھا، جس کا مندرجہ ذیل جواب آیا،

اس میں پہلے بھیجے گئے خط کا تذکرہ اوراس کے جواب کا بھی حوالہ ہے، خط کا مختصر مضمون یہ ہے:

۵- ۷۶۸

مکرم ومحترم ...... مد فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ موصول ہوا، اس سے پہلے بھی ایک گرامی نامہ صادر ہوا تھا، اس کا جواب لکھ دیا گیا، انشاء اللہ آپ کو مل جائے گا۔

فقط والسلام

بندہ افتخار الحسن (بقلم محمد عثمان)

اس کے بعد حضرت مولانا کا وہ خط بھی آ گیا جس میں حضرت حافظ صاحب سے متعلق آپ نے اپنے تأثرات لکھے تھے، اصل خط تو میرے کاغذات میں مل نہ سکا، مگر اس کا شروع اور آخر کا حصہ چھوڑ کر حضرت حافظ عبدالرشید صاحب سے متعلق جو مضمون تھا، وہ راقم کی کتاب ''حیات عبدالرشید'' کے صفحہ ۲۹۰/۲۹۱ پر معاصرین کے تأثرات میں چھپا ہوا ہے، وہ یہ ہے:

''حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے یہاں ان کو (حضرت حافظ صاحب کو) ہمیشہ دیکھا، نہایت خاموش، کم گو اور اپنے کام سے کام رکھنے والے تھے، اور عموماً اپنی روحانی کیفیات اور سلسلہ سلوک وتربیت کی اپنی کیفیات اور مراحل کا بھی ہم لوگوں سے بلکہ وہاں (خانقاہ رائے پور میں) سبھی حاضر باش افراد سے بہت کم تذکرہ کرتے تھے، البتہ ان کی ایک خاص ادا اور حضرت کی خدمت کا انداز یہ تھا کہ وہ حضرت کے پاس بیٹھے ہوئے کئی گھنٹے حضرت شاہ صاحب کے ہاتھ پاؤں بازو اور ٹانگیں سہلاتے رہتے تھے؛ کیونکہ حضرت کو دوران خون کی کمی کا عارضہ تھا، اس لیے ڈاکٹروں اور معالجوں کی ہدایت تھی کہ حضرت کے ہاتھ پاؤں مستقل سہلائے جائیں، اس خدمت کو وہ بہت اچھی طرح اور قابل رشک انداز میں انجام دیتے تھے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ وہ مختلف کمالات کے جامع اور بہت پاکیزہ طینت تھے''۔

پھر جب ۱۴۱۵ھ کے شوال میں احقر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل ہو گیا، وہاں سے حضرت کو اپنے تعلیمی حالات لکھے، درسیات کی تفصیل لکھی اور دعاؤں کی درخواست کی، مگر اس کا جواب نہ آ سکا، اس لئے اس کے بعد پھر دوبارہ خط لکھا اور اس میں گذشتہ بھیجے گئے خط کا ذکر بھی کیا، باقی مضمون پہلے خط ہی کا تھا، نیز اسی زمانہ میں احقر کی کتاب ''مختصر تجوید القرآن'' چھپ کر آ گئی تھی، اسکا تذکرہ بھی کیا اور اسکی مقبولیت کیلئے بھی دعاء کی درخواست کی اور پھر نصیحت طلب کی، چنانچہ اس کا جواب حضرت کی طرف سے مندرجہ ذیل آیا:

۶- مکرم ومحترم ...... مد فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت تمام ہوں گے۔

مرسلہ گرامی نامہ موصول ہوا، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ، یہاں تو جو خط آتا ہے اس کا جواب تحریر کرا کرا رسال کر دیا جاتا ہے، بشرطیکہ جوابی کارڈ، لفافہ ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ آپ کی اس کاوش کو جو ''مختصر تجوید القرآن'' کی صورت میں سامنے آئی، قبول فرمائے اور ہر نوع کی ترقیات سے نوازے۔ آمین

دنیاو آخرت کی کامیابی خدا کے حکم کو مان کر چلنے میں ہے، اس طرح کہ کوئی حکم چھوٹنے نہ پائے اور کوئی حکم ٹوٹنے نہ پائے، اسی طرح زندگی گذارنے کی کوشش کریں، اللہ کامیابی ونصرت سے نوازے گا۔ والسلام

۲۶/نومبر ۱۹۹۵ء ازطرف بندہ افتخار الحسن کاندھلوی (بقلم اسجد غفرلہ)

پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں جب ''حیات عبدالرشید'' کی ترتیب وتسوید میں مشغول تھا، تب بھی حضرت مولانا کی خدمت میں ایک عریضہ لکھ دیا، جس میں اس کتاب کا ذکر کیا اور مقبولیت کی دعاء کے لیے تحریر کیا، حضرت مولانا کا یہ مکتوب گرامی شرف صدور لایا:

۷- مکرمی......زادت عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کارڈ موصول ہوا، یادفرمائی کا بہت بہت شکریہ، اس سے مسرت ہوئی کہ آپ سوانح حیات (حافظ عبدالرشید صاحب) لکھ رہے ہیں، اللہ تعالی اس کی تکمیل فرما کر آخرت کا ذریعہ بنائے، بندہ بھی دعا کرتا ہے۔ والسلام

۲۰/۱/۱۴۱۶ھ ازطرف بندہ افتخار الحسن کاندھلوی

اس کے بعد بھی حضرت مولانا کو خطوط لکھے، مگر میرے کاغذات میں صرف یہی ۷/ خطوط محفوظ تھے جو نقل کر دیئے گئے، البتہ اس کے بعد حضرت مولانا سے ملاقات کے لیے کاندھلہ کئی مرتبہ جانا ہوا، یہ تو اس وقت ذہن میں نہیں کہ پہلی مرتبہ کب ملاقات ہوئی اور کس طرح سے ہوئی، البتہ ہر ملاقات پر ایک چیز محسوس کی کہ حضرت مولانا ہر آنے والے کو حسب مراتب اور ''انزلوا الناس علی قدر منازلھم'' کے مطابق اتارتے اور اس کے ساتھ پیش آتے تھے اور جس کے بارے میں معلوم ہو کہ عالم ہے تو اس کے ساتھ عالمانہ شان کے ساتھ گفتگو کرتے تھے اور عام لوگوں کے ساتھ سادگی میں ان کے انداز پر بات کرتے تھے۔

ایک مرتبہ احقر اپنے ایک ساتھی کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، ملاقات کے بعد چلتے وقت مجھے ''نفحات طیبہ'' جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے حالات وملفوظات پر مشتمل کتاب ہے پیش کی اور میرے ساتھی کو ٹی وی، وی سی آر اور فلم کی قباحت سے متعلق پمفلٹ پیش کیا، نامہ سیاہ اس نبض شناس حکیم کی مہارت کا اسی وقت قائل ہو گیا تھا، پھر جب احقر کی کتاب ''حیات عبدالرشید'' چھپ گئی، تب بھی ملاقات کیلئے حاضر ہوا، حضرت نے اعزاز واکرام کیا اور بعض پمفلٹ اور کتابیں بھی پیش کیں، اس کے بعد جب راقم کی کتاب ''سیرت مولانا یحییٰ کاندھلوی'' کی طباعت ہوگئی، اس کے بعد بھی حاضری ہوئی، اس کتاب کو خود مولانا محمد طلحہ صاحب حضرت مولانا کو پہنچا چکے تھے، پھر اس کے توسط سے بھی ملاقات ہوئی، غرضیکہ حضرت سے ملاقات کیلئے متعدد مرتبہ جانا ہوا، ایک مرتبہ کئی سال قبل حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی آمد کے موقع پر کاندھلہ جانا ہوا اور حضرت سے ملاقات ہوئی، بیچ میں کئی سال تک حضرت کی خدمت میں جانا نہ ہوا، مگر ادھر چند سال سے تقریبا ہر سال عید الفطر کے بعد یا عید الاضحیٰ کے بعد حاضری ہوتی رہتی تھی، ہر مرتبہ حضرت مولانا کے اعلی اخلاق کا مشاہدہ کیا، ابھی چند ماہ قبل مجھے مولانا اکرم صاحب ندوی مقیم آکسفورڈ کے ذریعہ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کے پاس حدیث کی بہت عالی سند ہے، چنانچہ اس کے حصول کیلئے ۲۵/ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ مطابق ۲/جنوری ۲۰۱۹ء میں حاضر ہوا اور حضرت کے سامنے حدیث مسلسل بالاولیت اور بخاری شریف کی پہلی حدیث پڑھی، جس پر حضرت نے اپنی سند عطا کی۔

حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کو مسلسل بالا ولیت کی اجازت حضرت مولانا سعادت خان صاحب دیوبندی سے حاصل ہے، اور حضرت مولانا سعادت خان صاحب کو حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی سے جو حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب دہلوی کے شاگرد ہیں، اسی طرح حضرت مولانا سعادت خان صاحب حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کے درسی ساتھی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ کے شاگرد ہیں، دوسری سند میں حضرت مولانا افتخار صاحب کے مشائخ، مظاہر علوم کے اساتذہ کرام ہیں، جن سے حضرت نے صحاح ستہ پڑھی ہے اور وہ اس طرح ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب پورقاضوی، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری، حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کامل پوری، تیسری سند حضرت مولانا افتخار صاحب کو صحاح ستہ کی حضرت مولانا علاؤ الدین پھلتی سے حاصل ہے، مولانا علاؤ الدین پھلتی نے حدیث حضرت مولانا نور الحق صاحب ٹونکی سے پڑھی اور مولانا نور الحق صاحب ٹونکی کو حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی سے اجازت عامہ حاصل ہے اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی سے حدیث پڑھی اور ان کو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ سے اجازت حاصل ہے۔

حضرت مولانا ایک عرصہ سے بیمار اور صاحب فراش تھے اور زائرین ومحبین روزانہ حضرت کی زیارت سے مستفید ہورہے تھے، کہ ۲۷ر رمضان ۱۴۴۰ھ کو حضرت کی وفات ہوگئی، اور امت کے ایک جم غفیر نے حضرت والا کی نماز جنازہ میں شرکت کی اور آپ کی تدفین عمل میں آئی، اللہ تعالی حضرت والا کی قبر کو نور سے منور فرمائے، ۱۷ر شوال ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۱ر جون ۲۰۱۹ء بروز کاندھلہ جانا ہوا، حضرت کے خلف وجانشین مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی اور حضرت کے حفید محترم مولانا ارشد صاحب کاندھلوی سے ملاقات ہوئی، مولانا نور الحسن صاحب نے حضرت کے عجیب واقعات سنائے جس سے اندازہ ہوا کہ وہ تو بڑے اہل اللہ اور اونچے لوگوں میں تھے، اسی طرح سے حضرت کے پوتے مولانا ارشد صاحب نے بھی عجیب وغریب واقعات سنائے اور یہ بھی بتایا کہ حضرت مولانا کی قبر سے کئی روز تک خوشبو آتی رہی، مولانا ارشد صاحب کیساتھ حضرت کی قبر پر بھی حاضری ہوئی اور ایصال ثواب کیا، اس کے بعد واپسی ہوئی۔

حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی (جو حضرت سید احمد شہید رائے بریلی کے مسترشد اور کئی کتابوں کے مصنف تھے) کی پانچویں پشت میں مولانا رؤف الحسن صاحب کاندھلوی کے یہاں ۱۱ر جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۰ر جنوری ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے، مظاہر علوم میں تعلیم کی تکمیل کی اور سلوک وطریقت کے منازل حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے زیر تربیت طے کئے، حضرت شاہ صاحب نے آپ کو خرقہ خلافت کی دولت سے نوازا، اور آپ ان کے مجاز بیعت ہوئے، آپ کا مشغلہ امت کی اصلاح وتربیت کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی تفسیر رہا ہے، آپ بہترین مفسر قرآن، جید عالم دین اور کامل ولی وعارف اور پایہ کے بزرگ تھے، خلاف شرع بات کو ذرا بھی گوارا نہیں کرتے، ایسے موقع پر فوراً آگ بگولہ ہوجاتے تھے، اللہ تعالی حضرت والا کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تأثرات

حضرت مولانا محمد افتخار الحسن کاندھلویؒ

ایک محترم اوربزرگ شخصیت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

گزشتہ ماہ رمضان المبارک کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے ایک عظیم القدر اور بزرگ شخصیت حضرت مولانا محمد افتخار الحسن کاندھلویؒ نے دنیاوی زندگی کو الوداع کہا، جنہوں نے قمری تقویم کے حساب سے اپنی زندگی کے سو سال بھی پورے کر لئے اور کارگزار اور عبادت گزار عالم دین، داعی، مصلح اور مربی کے طور پر اپنے وطن کاندھلہ میں رہتے ہوئے زندگی گزاری اور اپنے اس مقام کو جوان کا مستقر تھا نہیں چھوڑا، جب کہ انہیں اپنے معروف علمی و دینی خاندان اور اس خاندان کی بزرگ شخصیات کی نسبت سے محبوبیت اور مقبولیت حاصل تھی، حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی امیر جماعت تبلیغ کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد اظہار الحسن صاحب کاندھلوی کو مرکز نظام الدین دہلی کو سرپرستی حاصل ہوئی تھی اور ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا محمد افتخار الحسن کاندھلوی کو اس خاندان والا شان کے بڑے اور سرپرست ہونے اور حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی بانی جماعت تبلیغ کے خصوصی تربیت یافتہ اور شاگرد اور حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے ماموں اور بزرگ خاندان ہونے کی وجہ سے یہ بات حاصل ہوئی تھی، ابتداء میں انہوں نے کچھ دن وہاں قیام کا نظام بھی بنایا تھا، مگر اپنے بعض اعذار اور مقامی مصلحتوں کی وجہ سے کاندھلہ کا ہی مستقل قیام جاری رکھا، اطراف ومضافات میں اسفار کرنے کی صورت میں بھی ان کی کوشش ہوتی کہ رات کا قیام کاندھلہ میں ہی رہے، دوآبہ کا علاقہ جو مظفرنگر اور اس کے اطراف کا علاقہ ہے اور ہریانہ و پنجاب کا علاقہ ان کی خصوصی توجہ کا محور و مرکز رہا اور ان مساجد کو آباد کرنے کی بھی انہوں نے کامیاب کوشش کی جو تقسیم ملک کے بعد ہریانہ و پنجاب میں غیر آباد ہوکر ایسے ہاتھوں میں چلی گئیں تھیں جن کا استعمال بھی غلط ہونے لگا تھا، پانی پت ہریانہ میں جامع مسجد گنبدان کو انہوں نے ایک تربیتی مرکز بنادیا تھا، جہاں دور دور سے طالبان رشد وہدایت، اصلاح و تربیت کے لئے آکر وقت بھی گزارتے، کاندھلہ میں اپنے خاندانی بزرگ مولانا محمد سلیمان کاندھلوی کی وقف کردہ زمین پر عیدگاہ سلیمانیہ کو مستقل آباد کرنے کے لئے مدرسہ سلیمانیہ قائم کیا اور وہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کرائی، اس کے علاوہ ان کی ایک فکر ان مقامات کی درستگی بھی رہی، جو بزرگوں کے مقامات پر معروف تھے، اس میں پنجاب کے بعض مقامات خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اپنے معروف دینی و علمی خاندان کے ایک صاحب علم وفضل فرزند اور معروف دینی درسگاہ مظاہر علوم سہارنپور کے ممتاز فاضل ہونے کے ساتھ جس کے بعد وہ سرپرست بھی ہوئے، خانقاہ رائے پور سے اپنا تعلق قائم کیا، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری سے بیعت وارادت کا مخلصانہ تعلق قائم کرکے راہ سلوک کے مقامات طے کئے اور اس سلسلہ میں رائے پور میں قیام کرکے بڑے مجاہدات وریاضات بھی کئے، جو اپنے وطن کاندھلہ میں قیام کرکے بھی قائم وجاری رکھے، اور کاندھلہ میں رہ کر اس کی اور اس کے اطراف ومضافات کی فکر کی، ان کا وہاں ایک علمی سلسلہ بھی تھا، جو روز بعد نماز فجر اپنی خاندانی مسجد محلّہ مولویان میں درس قرآن کا تھا، اور جب تک صحت رہی انہوں نے اس سلسلہ کو جاری رکھا، جو ۵۲ سال کا عرصہ ہے جس میں پانچ دور مکمل کئے اور آخری دور کی تکمیل میں بڑے علماء کو دعوت دی، جس میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے خصوصی طور پر شرکت فرمائی، اس کے ساتھ

کتابوں کا انہیں بڑا ذوق تھا، اور اپنے کتب خانہ میں انہوں نے ان کتابوں کے ساتھ جوان کو خاندانی ورثہ میں حاصل ہوئی تھیں، اپنے علمی ذوق سے اہم کتابوں کا اضافہ کیا اور ان کی سر پرستی میں ان کے فاضل ولائق خلف اکبر مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی نے اس کو بہت ترقی دی اور اپنے خاندانی مورث حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کی یادگار میں اکادمی کے طور پر متعارف کرایا، اور اس کا سہ ماہی ترجمان ''احوال و آثار'' کے نام سے نکالا، جس کی کئی خصوصی اشاعت وہاں کی اہم شخصیات کے متعلق سامنے آچکی ہیں۔

مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی نے اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کی اجازت وخلافت پر بیعت وارشاد کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ آخر تک جاری رکھا اور بعض افراد خاندان اور حلقہ ارادت کے ممتاز متوسلین کو اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کیا اور آخر میں اپنی صحت کی کمزوری اور مسلسل ضعف وعلالت کی وجہ سے اپنے خلف اکبر مولانا نورالحسن راشد صاحب کاندھلوی کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا او رندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ کے رکن کی حیثیت سے بھی اپنی جگہ ان کو نامزد کیا جس کے وہ طویل مدت سے رکن چلے آرہے تھے اور اس کی مجلس میں شرکت بھی فرمائی تھی۔

حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی، کاندھلہ مظفر نگر میں جواب شاملی کا علاقہ ہے ۱۱ر جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۰ر جنوری ۱۹۲۲ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کاندھلہ میں اور پھر مدرسہ مراد یہ مظفر نگر میں اور اس کے بعد مظاہر علوم سہارنپور میں حاصل کی، اور ۱۳۶۳ھ میں وہاں سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی اور مزید تعلیم کے لئے قیام اختیار کیا، جمادی الاولی ۱۳۶۵ھ سے رجب ۱۴۱۷ھ تک درس قرآن کا کاندھلہ میں سلسلہ رکھا، جس کے پانچ دور مکمل کئے اور تربیت مریدین وافادۂ خلق کا دینی وعلمی عمل تاعمر جاری رکھا، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی سے تعلیمی ودینی استفادہ کے ساتھ ان کے دعوتی وتبلیغی کام میں ان کی سر پرستی میں حصہ لیا۔

جہاں تک ان کے علمی واصلاحی رسائل وتصنیفات کا تعلق ہے، ان میں درس تفسیر قرآن کریم، تفسیر معوذتین، ذکر آخرت، حقیقت استغفار وذکر، حقیقت دعا، فضائل درود شریف، فضائل ذکر، اس کے علاوہ رد قادیانیت اور نس بندی کی حرمت وغیرہ پر بھی رسائل اور خطابات ہیں، اللہ تعالی نے ان کو اچھی اولاد سے بھی نوازا، تین صاحبزادگان، مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی، مولانا ضیاء الحسن صادق کاندھلوی، مولانا بدرالحسن کاندھلوی اور چار صاحبزادیاں ہیں جن میں بڑی صاحبزادی حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلہ (صاحبزادہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی) سے منسوب تھی جن کی وفات کا صدمہ ان کو برداشت کرنا پڑا اور باقی تینوں صاحبزادیاں مولانا محمد احترام الحسن کاندھلوی مرحوم، مولانا محمد حشیم عثمانی ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ اور مولانا سید محمد بن مولانا مفتی محمد یحییٰ سہارنپوری کو منسوب ہیں، اور سبھی احفاد واسباط بھی علم ودین کی راہ پر عامل ہیں، اللہ تعالی سبھی کو ان کے اسلاف کے طریقہ پر رکھے اور ان کے ذریعہ بھی وہ فیض جاری رہے جو ان کے بزرگوں کا حصہ رہا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم نے ۲۷ر رمضان ۱۴۴۰ھ کو کاندھلہ میں اپنے مستقر پر وفات پائی، وفات کی خبر سنتے ہی محبت کرنے والوں اور عقیدت مندوں کا اژدحام ہوگیا اور راستے مسدود ہوگئے، اگلے دن صبح جنازہ کی نماز میں ایسا مجمع آیا جس کی نظیر کم ملتی ہے، انہی کے خاندان کے ایک محترم رکن مولانا محمد سعد کاندھلوی نے جو تبلیغی جماعت کے ذمہ دار ہیں اور ان کے خلیفہ بھی، نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے خاندانی قبرستان میں اپنے جد اعلی حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

"رحمه الله تعالى برحمته للأبرار المقربين وأدخله فسيح جناته مع النبيين والصديقين والشهداء والصالحين وحسن أولئك رفيقاً۔

❁❁❁

نقوش رفتگاں

مردِ باخدا کی رحلت-ایک بہت بڑا خسارہ

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی نائب مدیر "تعمیر حیات"، لکھنؤ

داعی الی اللہ ومجدد دعوت وتبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی (م۱۳۶۳ھ-۱۹۴۴ء) کے خصوصی فیض یافتگان کی آخری کڑی مفسر قرآن داعی الی اللہ، مربی جلیل، مرشد دین، مصلح وعالم ربانی حضرت مولانا محمد افتخار الحسن صاحب کاندھلوی نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا اور ۲۷/ رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ کو بعد عصر اپنے مستقر محلّہ مولویان کاندھلہ ضلع شاملی میں جان جان آفریں کو سپرد کی، انا للہ وانا الیہ راجعون، للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وکل شیٔ عندہ باجل مسمیٰ۔

وہ ان مشائخ اور ربانی علماء کی صف کی آخری شمع تھے جس کی روشنی سے دیر تک فائدہ اٹھایا جاتا رہا، خانقاہ رائے پور سے روحانی فیض حاصل کر کے اپنے خاندانی اسلاف کی برکات کو شامل کیا تھا اور درسگاہ مظاہر کے انوار سے دوآتشہ سے سہ آتشہ کر دیا تھا، تصوف ومعرفت جسے طریقت وحقیقت سے تعبیر کیا جاتا ہے، آپ کا ذوق وحال تھا اور اس میں وہ اپنے رسوخ کی وجہ سے صوفی کے لقب سے معروف ومشہور تھے، طویل مدت تک اپنی خاندانی مسجد میں فجر کے بعد درس قرآن دیا کرتے تھے، جب صحت بہت کمزور ہوگئی تو اس سلسلہ کو ان کے خویش اور برادر زادے مولانا احترام الحسن صاحب کاندھلوی (فرزند دوم حضرت مولانا احتشام الحسن کاندھلوی) نے آگے بڑھایا، مگر وہ ان کی حیات میں ہی وفات پا گئے؛ لیکن یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔

عیدگاہ کی امامت وخطابت کا خاندانی سلسلہ بھی آپ نے قائم رکھا اور آخر میں وہاں ایک بڑے مدرسہ کے قیام کے ذریعہ اس کو آباد کیا اور دونوں کا نام اپنے ان خاندانی بزرگ کے نام پر رکھا، جنھوں نے عیدگاہ کے لئے زمین وقف کی تھی، جن کا نام محمد سلیمان تھا، آپ کا خاندان شیخ صدیقی خاندان ہے، جس کے سلسلہ میں علم ودعوت اور تقویٰ کی جامع صفات شخصیات ہر دور میں نظر آتی ہیں، اس آخری دور میں جو گزشتہ دو تین صدیوں کا دور ہے، خاتم مثنوی حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کا نام سب سے ممتاز اور نمایاں ہے، جن کے بھائیوں میں مولانا کمال الدین، مولانا جمال الدین، مولانا محمود بخش عظیم بزرگ گزرے، مولانا کمال الدین اگر چہ حضرت مفتی صاحب سے چھوٹے تھے؛ لیکن ایسے باکمال تھے کہ ان سے حضرت مفتی صاحب کو اجازت وخلافت حاصل تھی، حضرت مفتی صاحب کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے اور ان کے خلیفہ امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی اور جب حضرت سید احمد شہید کاندھلہ تشریف لائے تو حضرت مفتی صاحب مع صاحبزادگان، برادر زادگان، احفاد واسباط حضرت سید احمد شہید کی بیعت میں نہ صرف داخل ہوگئے تھے بلکہ فریفتہ اور مطیع ومنقاد ہوگئے تھے، مولانا جمال الدین اس پایہ کے بزرگ تھے کہ ان سے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کو اجازت وخلافت حاصل تھی، یہ وہی شاہ عبدالقادر دہلوی بن حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ہیں جن کی خدمت وصحبت بابرکت میں حضرت سید احمد شہید کو ان کے شیخ ومرشد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے رکھا تھا، اگر چہ خلافت خود عطا فرمائی تھی اور ان کے احوال رفیعہ کو دیکھ کر اپنے افراد خاندان کو ان کی طرف متوجہ کیا، چنانچہ شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحئی بڑھانوی نے ان سے بیعت کی اور ان کے بڑے خلفاء میں ہوئے، حضرت مفتی الٰہی بخش کے فرزند مولانا ابوالحسن کاندھلوی تھے، جنھوں نے حضرت سید احمد شہید قدس سرہ کی شان میں قصیدہ کہا تھا، جو سیرت سید احمد شہید مؤلفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے، ان کے صاحبزادہ مولانا نورالحسن کاندھلوی تھے، جب حضرت سید احمد شہید

صاحب کاندھلہ تشریف لے گئے تھے تو یہ سات سال کے تھے، اس کم سنی میں انہوں نے بیعت تبرک حاصل کر لی تھی، یہی مولانا نورالحسن جو سرسید احمد خان بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہیں، جنہوں نے جدید تعلیم کے راستہ ملک وملت کی عظیم خدمت انجام دی، مولانا محمود بخش کا احترام مسلمانوں اور غیر مسلموں سبھی میں یکساں اور بڑی قدر ومنزلت کا تھا، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین ایک قضیہ میں انہیں حکم بنایا گیا تھا اورانہوں نے انصاف سے کام لیتے ہوئے غیر مسلموں (ہندوؤں) کے حق میں بات کہی تھی، اور سب نے اسے منظور کیا تھا، حضرت مولانا سیدابوالحسن علی حسنی ندوی نے اپنی کتاب ''ماذا خسر العالم'' میں اس واقعہ کو ذکر کیا ہے، ان کے صاحبزادے مولانا مظفر حسین بڑے بزرگ شخص تھے، اور حضرت سیداحمد شہید سے بیعت تھے، قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ان کے لئے بہترین صدقہ جاریہ ہیں کہ انہوں نے ان کے کہنے سے وعظ وارشاد اور بیان شروع کیا، مولانا مظفر حسین کاندھلوی کے علم وتقوی کی قسم کھائی جاسکتی تھی، ان کی صاحبزادی ''امی بی'' تھی، جو اس خاندان والا شان کی سب سے بزرگ اور تقوی وطہارت میں سب سے ممتاز خاتون تھیں، ہر وقت ذکروشغل میں رہتیں اور کسی قسم کا کوئی سوال کسی سے نہ کرتیں، حتی کہ پیاس پر بھی پانی نہ مانگتیں اور کھانے کا وقت نکلنے پر بھی اس کی خود سے طلب نہ کرتیں کہ یہ مانگنے کی قسم میں نہ آجائے، ان کی ایک صاحبزادی اور ایک صاحبزادہ مولانا رؤف الحسن کاندھلوی تھے اور احفاد واسباط، حضرت مولانا محمد یحیٰی کاندھلوی (والد ماجد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی) اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی مجدد دعوت وتبلیغ نواسہ ہیں، جن کی ایک بہن تھیں، بہن کے بیٹے مولانا محمد اکرام الحسن اوران کے بیٹے حضرت مولانا محمد انعام الحسن صاحب کاندھلوی ہوئے، انہی بہن کی بیٹی سے حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کی شادی ہوئی جن کے بھائی مولانا سعیدالرحمٰن کاندھلوی کا نکاح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی صاحبزادی سے ہوا تھا۔

مولانا رؤف الحسن کاندھلوی کی تین صاحبزادیاں اور پانچ صاحبزادے ہوئے، مولانا نجم الحسن کاندھلوی، مولانا قمر الحسن کاندھلوی، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی، مولانا اظہار الحسن کاندھلوی، یہ سب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی کے ماموں زاد بہن اور بھائی ہیں اور دوسری طرف سے برادران نسبتی اور یہ سب حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قدس سرہ کے زیر تربیت پروان چڑھے، اور دینی وعلمی ہر لائن سے ان سب نے بڑی ترقی کی، مولانا نجم الحسن کے بیٹے مولانا عین الحسن نے عنفوان شباب میں وفات پائی وہ بھی مظاہر علوم کے ممتاز فاضل تھے اور پوتے مولانا وسیم الحسن بھی ذی علم وفضل شخصیت ہیں، جو مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کے نواسہ بھی ہیں، مولانا قمر الحسن کی دختری یادگار مولانا ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر محمد الغزالی (اسلام آباد، پاکستان) علم وفضل میں بڑی شہرت رکھتے ہیں، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی کے دو صاحبزادے مولانا اجتباء الحسن کاندھلوی اور مولانا احترام الحسن کاندھلوی تھے، دونوں ہی وفات پاچکے ہیں، اوران کے اخلاف اصحاب علم وفضل میں مولانا اظہار الحسن کاندھلوی کی دختری یادگار حضرت مولانا محمد سعد کاندھلوی امیر تبلیغی جماعت نظام الدین مرکز دہلی ہیں، اوران بزرگوں کی تین بڑی بہنوں میں ایک حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کو، ایک حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کو اور ایک مولانا ظہیر الدین شہید کاندھلوی کو منسوب ہوئیں۔

مولانا رؤف الحسن کے بڑے نواسہ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی امیر جماعت تبلیغ ہوئے، اور نواسی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کی دوسری اہلیہ تھیں، جو حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی کی والدہ ماجدہ تھیں، اس طرح حضرت مولانا محمد افتخار الحسن کاندھلوی اس پورے کاندھلوی صدیقی خاندان کے نہ صرف قریبی خاندانی فرد تھے بلکہ سبھی کے محرم تھے اور جب اس خاندان کی مستورات حج پر گئی تھیں تو بطور محرم کے یہ ساتھ تھے، جس کا ذکر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ نے اپنی ''آپ بیتی'' میں کیا ہے، اولاد ذکور

واناث میں بھی حضرت مولانا افتخار صاحب کاندھلوی اپنے بھائی بہنوں میں ممتاز رہے، تین صاحبزادگان اور چار صاحبزادیاں ہوئیں، بڑی صاحبزادی حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی کو منسوب تھیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے بار بار حج وزیارت کی سعادت وتوفیق عطا فرمائی اور مہمانوں کی ضیافت وتکریم کا غیر معمولی ملکہ وشوق وذوق عطا فرمایا تھا، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ کا کھانا ہمیشہ اپنے ذمہ کر رکھا تھا، جسے خود اہتمام سے اپنے ہاتھ سے باوضو تیار کرتی تھیں، دوسری صاحبزادی حضرت مولانا احترام الحسن کاندھلوی مرحوم سے منسوب ہوئیں، جو ان کے بھتیجے تھے، تیسری صاحبزادی حضرت مولانا محمد حشیم عثمانی ناظم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کو منسوب ہیں، اس طرح انہیں دیار حرم کا مکین ہونے کا عظیم شرف حاصل ہوا اور ضیوف الرحمٰن کی ضیافت کا مسلسل موقع ملا، چوتھی صاحبزادی مولانا سید محمد بن مولانا مفتی سید محمد یحییٰ سہارنپوری کو منسوب ہیں۔

صاحبزادگان عالی مرتبت میں خلف اکبر حضرت مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی بانی وصدر مفتی الٰہی بخش اکیڈمی وامام عیدگاہ کاندھلہ ہیں، جو حضرت مرحوم کے جانشین اور ان کے حلقہ ارادت کے سرپرست ہیں اور حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے پھوپھا ہیں۔

مولانا ضیاء الحسن صادق دوسرے صاحبزادے ہیں جو حضرت مولانا محمد سعد کاندھلوی کے بہنوئی ہیں اور ان کے بیٹے مولوی محمد یوسف کے خسر بھی، مولانا بدرالحسن سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں جو حضرت مولانا مرحوم کے بڑے منظور نظر رہے، آخر میں ان کی نمازوں کی امامت بھی کرتے تھے، مولانا محمد سعد صاحب امیر تبلیغی جماعت کے دوسرے صاحبزادے مولوی سعید احمد کے خسر ہیں، احفاد واسباط میں چند نام اس طرح ہیں، مولانا ابوالحسن ارشد بن مولانا نورالحسن راشد صاحب کاندھلوی جو حضرت مرحوم کے مجاز وخلیفہ بھی ہیں، مولانا رؤف الحسن اُویس بن مولانا ضیاء الحسن، مولوی زید بن مولانا بدرالحسن، مفتی نجم الحسن بن مولانا احترام الحسن اور مولوی اسامہ ومولوی حمزہ، مولوی سلیم بن مولانا حشیم مکی، مولوی احمد ہاشمی بن مولانا سید محمد ہاشمی، مولانا سید محمد غفران ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نواسہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ، حضرت مرحوم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی کے داماد ہیں۔

حضرت مرحوم کا مطالعہ قرآنیات وحدیث وفقہ اور تصوف کا بہت گہرا تھا اور اس کا بہت بڑا ذخیرۂ کتب ان کے پاس جمع تھا، ان کے ذاتی کتب خانہ سے استفادہ کا تذکرہ بعض بڑے مصنّفین اور محققین اور اصحاب علم وتحقیق وتصنیف وتدریس نے کیا ہے، اس ذخیرۂ کتب کو بڑی محنت وجانفشانی سے حضرت مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی مدظلہ نے بڑھایا، جس میں قدیم مخطوطات کے ساتھ جدید مطبوعات (اس کے ایڈیشنوں کے فرق اور نسخوں کی تمیز کے ساتھ) کا بڑا ذخیرہ ہے جس سے استفادہ کیلئے دور دراز سے لوگ برابر آتے رہتے ہیں، اور قیام بھی کرتے ہیں، مولانا نورالحسن کاندھلوی کی اولاد ذکور واناث میں کتابوں کے ترکہ کے ۳۷ رحصہ لگے تھے جسے اوروں سے خریدا بھی گیا اور مزید بڑھایا بھی گیا۔

حضرت مرحوم نے اپنے جد اعلیٰ حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے علمی ورثہ کی حفاظت کے ساتھ ان کے روحانی ورثہ کی حفاظت کا کام بھی جس صدق وخلوص اور علو ہمت کے ساتھ کیا ہے، انہی کا حصہ تھا اور اس کے ذریعہ بعض غیر معمولی اور معرکہ کے انہوں نے علاج بھی کئے۔

تصوف وسلوک کے اذکار واشغال ومراقبات میں بھی بہت محنت کی اور مجاہدات وریاضات کئے اور عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے اجازت وخلافت پائی، ان کے ایماء پر کاندھلہ کے قیام کو اختیار کر کے یہیں اس فیض باطنی کو تقسیم کیا جو خانقاہ رائے پور سے حاصل کیا تھا، مگر ان میں کسر نفسی، تواضع، انکار ذات، قناعت جیسی صفات کا عکس جمیل تھا جو خانقاہ رائے پور کا امتیاز نظر آتی ہیں، ایک بار راقم الحروف حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمہ اللہ کے ساتھ حاضر خدمت تھا، حضرت رائے پوری قدس سرہ کے خلفاء کی بات آئی، فرمایا خلفاء تو بس حضرت کے چار تھے، ان کے

جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری جو عبادت میں بڑھے ہوئے تھے پاؤں ورم کرجاتے تھے "افلا اکون عبداً شکورا" والی بات تھی، ایک حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی جو اپنی دینی دعوتی اصلاحی فکری علمی خدمات اور بعض دوسری صفات میں بہت آگے نکل گئے اور سب سے بڑھ گئے، تیسرے مولانا سید محمد اسحاق صاحب (والد ماجد حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوری) جو حضرت کی حیات میں ہی وفات پاگئے تھے، اور حضرت مولانا محمد انوری صاحب لائل پوری جو علم وفضل میں بہت بڑھے ہوئے تھے اور علامہ انورشاہ صاحب کشمیری کے ممتاز تلامذہ میں تھے، باقی ہمارے حضرت ذکر کی تلقین فرماتے، اس کی ایک تعداد دیدیتے اور دیکھتے کہ اس پر کتنا عمل ہے اور جب دیکھتے کہ ذکر کے آثار اس پر ظاہر ہورہے ہیں تو اجازت وخلافت دیدیتے، کیونکہ اس کو بڑھانے کا کام اسی کا ہے۔

ایک بار راقم الحروف حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی صاحب علیہ الرحمہ کے ساتھ الوداعی ملاقات کے لئے حاضر ہوا جب وہ بسلسلہ علاج وروحانی استفادے کے وہاں مقیم تھے، تو ہم خدام کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا: ''مولانا نے اپنی بیماری میں جو مقامات طے کئے ہیں آپ حضرات ان کی خدمت اور تیمار داری سے یہ مقامات حاصل کرسکتے ہیں، یہ نفع ان کے بھائی حضرت مولانا بلال حسنی ندوی کے لئے اللہ نے مقدر کیا تھا، جو انہوں نے اس کے ذریعہ حاصل کیا، اور ان کی یہ بات ان کے مصداق بنی''۔

حضرت مرحوم کو حضرت مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلوی سرپرست تبلیغی جماعت کی وفات کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے نظام الدین مرکز میں قیام کا مشورہ دیا تھا، جو وہاں کے مقیمین کی تسکین وتقویت کے لئے ضروری تھا، شروع میں کچھ کچھ ایام کے ذریعہ اس پر انہوں نے عمل فرمایا، مگر بعض مصالح اور علاقہ کی ضروریات کی وجہ سے آمد ورفت تو رکھی؛ لیکن مستقل قیام اختیار نہ فرماسکے، البتہ وہاں کے ذمہ داروں کی روحانی سرپرستی فرماتے رہے، اور اس کے دو بڑے ذمہ داروں مولانا زبیر الحسن صاحب کاندھلویؒ اور مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی کو اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا، حضرت مرحوم کے کل خلفاء ومجازین بیعت وارشاد ۵۶/ ہیں جن میں سرفہرست بزرگ ان کے خلف اکبر حضرت مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی اطال اللہ بقاہ ہیں جو اپنے والد کے ایماء ان کی حیات میں ادھر چند سالوں سے ان کی جگہ وعظ وارشاد اور تلقین اذکار وتربیت مریدین وبیعت وغیرہ کا سلسلہ اپنی علمی مصروفیات کے ساتھ انجام دے رہے ہیں، افراد خاندان میں ان حضرات کے علاوہ بقیہ صاحبزادگان مولانا ضیاء الحسن صادق، مولانا بدرالحسن اور بڑے بھائی حضرت مولانا احتشام کاندھلوی کے پوتوں میں مولانا ارتضاء الحسن رضی مقیم قطر اور مولانا ارتقاء الحسن مفتی مالیر کوٹلہ پنجاب اور مولانا زہیر الحسن ابن مولانا زبیر الحسن کاندھلویؒ اور اپنے پوتے مولانا ابوالحسن ارشد کو بھی اجازت بیعت وارشاد سے سرفراز کیا۔

حضرت مرحوم ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے بھی پانچ سالہ مدت کے کئی مدتوں تک رکن رہے، اور ۲۰۰۶ء میں اس کی مجلس میں شرکت فرمائی اور صدارت بھی فرمائی تھی جس میں ایک اہم فیصلہ نئے معتمد تعلیم کے انتخاب کا تھا جو ان کی صدارت میں انجام پایا، اور حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ معتمد تعلیم منتخب ہوئے تھے، حضرت مرحوم اس سفر میں رائے بریلی بھی تشریف لے گئے جہاں تکیہ کلاں میں حضرت شاہ علم اللہ حسنی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور دوسرے بزرگوں کے مقابر کی زیارت کی، فرنگی محل لکھنؤ کے مشائخ کی قبروں پر بھی تشریف لے گئے، گنج مرادآباد، حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی قبر پر حاضری دی، جن سے انھیں حدیث شریف میں بیک واسطہ اجازت حاصل تھی اور اس اجازت کے حصول کے لئے ان کے پاس عرب وعجم کے افاضل حاضر ہوکر اجازت حاصل کرتے تھے، جامعہ سید احمد شہید کٹولی ملیح آباد میں بھی ایک رات قیام فرمایا، جہاں طلبہ نے عمومی بیعت بھی کیا، اور مختصر اصلاحی خطاب بھی فرمایا، راقم سطور گنج مرادآباد تو نہ جاسکا البتہ رائے بریلی، لکھنؤ، کٹولی میں ساتھ رہنے کا

شرف حاصل رہا، حضرت مرحوم کو احادیث کا بڑا ذخیرہ یاد تھا، اور سند کے ساتھ بھی حدیث شریف سنایا کرتے تھے، موقع کی مناسبت سے حدیث سنا کر بشارت دیتے، ایک بار ہم لوگ (مولانا بلال حسنی ندوی، مولانا عبدالسبحان ندوی، مفتی راشد حسین ندوی، مولانا سعیدالزماں ندوی، مولانا محمد حسن ندوی وغیرہ) حاضر خدمت ہوئے، حاضری کا سبب صرف اللہ کے لئے ملاقات تھی، یہ معلوم ہونے پر ہاتھ پکڑ کر یہ حدیث قدسی سنا کر اپنی محبت کا اظہار کیا اور اللہ کی محبت کی بشارت سنائی "وجبت محبتی للمتحابین فیه" الی آخرالحدیث۔

حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی کے ساتھ اس سے پہلے ۱۹۹۲ء میں جب کاندھلہ حاضری ہوئی اور یہ میری کاندھلہ پہلی حاضری تھی، ناشتہ کا وسیع دسترخوان لگوایا اور خود اوپری منزل لائبریری کے حجرہ میں تشریف لا کر تکریم فرمائی اور وہاں شیخ اکبر ابن عربی کے "فصول الحکم" اور "فتوحات مکیہ" سے بعض اہم باتیں گوش گزار کیں، جس سے معلوم ہوا کہ حضرت مرحوم کو شیخ اکبر کے علوم و معارف کا گہرا مطالعہ ہے، زیارت و ملاقات اور صحبت و استفادہ کے مواقع مختلف مناسبت سے ملتے رہے جن میں بعض تقریبات میں شرکت بھی سبب بنی اور کئی بار مخدوم گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید محمد واضح حسنی ندویؒ کے ساتھ یہ شرف و سعادت ہوئی، اور ان باتوں کا مشاہدہ ہوا جو ہمارے اسلاف اور بزرگوں کا خاصہ رہا۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ نے مشائخ اور مخدوم زادگان اور بعض ممتاز خادمین دین و ملت اور خاص اہل تعلق و اصحاب حقوق کی خدمت میں ایک خاص ذاتی رقم سے کچھ پیش کرنے کا ارادہ فرمایا، یہ تحفہ بعض حضرات کی خدمت میں راقم السطور کو بھی لے جا کر پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، جو حضرت کی طرف سے اظہار تعلق و قدردانی کا ایک عمل تھا، اس موقع پر حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلویؒ نے بعز و افتخار نہ صرف قبول کیا بلکہ ایک عریضہ کے ذریعہ اس کا اظہار بھی فرمایا، جس کی عبارت حسب ذیل ہے:

باسمہ تعالی

مخدوم محترم حضرت اقدس مولانا الحاج سید ابوالحسن صاحب

متعنا اللہ بفیوضکم

امید کہ مزاج عالی بفضلہ تعالی بخیر و عافیت ہوں گے، یہاں پر بھی خدا کے فضل و کرم سے سب بخیریت ہے، جناب محترم کی خدمت عالیہ میں کئی مرتبہ حاضری کا قصد کیا مگر ضعف کی وجہ سے ملتوی ہی کرنا پڑا، اگر چہ بڑی ندامت و شرمندگی بھی ہے کہ آس پاس کے سفر تو کر لیتا ہوں، مگر وہاں نہ حاضر ہو سکا، جناب عالی کا ہدیہ سنیہ موصول ہوا، اللہ تعالی جناب کو اپنی شان عالی کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائے، یہ ناکارہ تو دعاؤں کا زیادہ محتاج ہے، مراد آباد والوں کے اصرار پر کہ حکیم خورشید صاحب کو بریلی میں دکھلایا جائے، اس وقت ہمت ہو سکی تو وسط نومبر میں قدم بوسی کیلئے ضرور حاضر ہوں گا، دعا کی درخواست ہے بندہ بھی جناب کی صحت عافیت کے لئے دل و جان سے دعا کرتا ہے۔

والسلام

۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء العبد افتخار الحسن غفرلہ

جہاں تک حضرت مرحوم کے تعلیمی و تربیتی مراحل کا تعلق ہے، کاندھلہ اور دہلی کے ساتھ سہارنپور اس کا بڑا مرکز رہا، علماء مظاہر علوم اور ان کی تصنیفی خدمات، مؤلفہ مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری سے جو معلومات حاصل ہوئیں وہ درج ذیل ہیں:

کاندھلہ مظفرنگر (حال شاملی) میں ۱۱/ جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۰/جنوری ۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے، مدرسہ مراد یہ مظفرنگر میں ابتدائی عربی تعلیم شرح جامی تک حاصل کی، شرح وقایہ وغیرہ مظاہر علوم میں پڑھی، اور ۱۳۶۲ھ تا ۱۳۶۳ھ میں دورۂ حدیث کا سال رہا، جہاں ان کے اساتذہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی، مولانا عبداللطیف پورقاضوی، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری، مولانا محمد اسعد اللہ رام پوری اور مولانا عبدالشکور رحمہم اللہ رہے، پھر تکمیل کے درجہ میں دیوان متنبی، رسم المفتی، میبذی، علم العروض، دیوان حماسہ، ملا جلال

میرزاہدوغیرہ پڑھی۔

اس کے علاوہ تفسیر سے گہری دلچسپی رکھی اوراس کی کتابوں کا مطالعہ جاری رکھا، اورعلم حدیث سے اس قدر شغف رہا کہ بڑی تعداد میں حدیثیں مع سند کے یاد تھیں، جن میں طویل طویل حدیثیں بھی تھیں، جہاں تک تصنیفات ورسائل کا تعلق ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱-حقیقت دعااوراس کے ثمرات ۲-فضائل درودشریف
۳-فضائل ذکر ۴-عاشورۂ محرم ۵-آخرت کی یاد
۶-نماز کی اہمیت اوراس کا ثواب ۷-اسلام میں امانتداری
۸-استغفاراورذکر کی حقیقت ۹-دروس تفسیر قرآن کریم
۱۰-تفسیر معوذتین ۱۱-نسل بندی کی حرمت

اوربعض دوسرے رسائل ہیں، آخری یادگارمدرسہ سلیمانیہ عیدگاہ کاندھلہ جوان کی سرپرستی میں شروع ہوااوراس کے مہتمم ان کے لائق حفید مولاناابوالحسن ارشد ہیں۔

حضرت مرحوم نے مظاہرعلوم سے فراغت کے بعد سے ہی تعلیم وافادہ کا کام شروع فرمادیا تھا،اس کیلئے ان کا درس قرآن مجید کا سلسلہ عوامی افادہ کا ایک مؤثر ذریعہ تھا، جس کے پانچ دور انہوں نے اپنی خاندانی مسجد میں پورے فرمائے، جس کے آخری یاکسی ایک دور کے مکمل ہونے پرایک اہم تقریب میں مضافات واطراف کے علماء حضرات نے بھی شرکت کی تھی اورخصوصیت حضرت مولانا سیدابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے بھی شرکت فرمائی تھی، یہ سلسلہ دروس قرآن جمادی الاولی ۱۳۶۵ھ اپریل ۱۹۴۶ء سے ۲۶رجب ۱۴۱۷ھ/۷دسمبر ۱۹۹۶ءتک رہا۔

ان کی اصلاحی تعلیمی دعوتی خدمات کا سلسلہ تاعمر جاری رہااور بہت سی مساجدان کے ذریعہ غیروں کے قبضہ سے آزادوآبادہوئیں، خاص طور پر ہریانہ، پنجاب میں مدارس کے قیام اورمساجد کے احیاءان کا بڑا کارنامہ ہے، جس میں جامع مسجد گنبدان پانی پت میں انہوں نے تعلیم، دعوت اورتزکیہ تینوں اعمال کوزندہ رکھا، ان کی اس جامعیت، علم وتقوی اور خاندان کی سب سے بزرگ اورمحترم شخصیت ہونے کی وجہ سے عالمی مرکز تبلیغ نظام الدین دہلی کی سرپرستی کے لئے بھی ان کی طرف حضرت مولانا سیدابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے جومکتوب لکھا اس کی ان سے متعلق عبارت ملاحظہ ہو، جوان کے بڑے بھائی حضرت مولانااظہارالحسن کاندھلوی کی وفات پرلکھا تھا، وہ لکھتے ہیں:

عزیزان گرامی قدرمولوی زبیرومولوی سعد حفظہما اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''کل لندن پہنچنے پرٹیلیفون کے ذریعہ اندوہناک خبرملی اوربجلی بن کر گری، وہ خاندان کے بڑے تھےاوران کی سرپرستی میں اورانکے تجربات کی روشنی میں تبلیغی کام یکجہتی اورتعاون کی فضا میں ترقی کررہا تھا، ان کی رحلت سے ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، ہماری رائے میں کاندھلہ سے مولوی افتخارصاحب کودعوت دیجائے اورانکی سرپرستی حاصل کی جائے''۔

خط پر ۱۵/اگست ۱۹۹۶ء کی تاریخ درج ہے، لندن کے سفر سے واپسی پر نظام الدین جاکران حضرات سے ملاقات کی اوراس تجویز ومشورہ کومزید مؤکد کرایا، پھران حضرات نے حضرت مولانا افتخارالحسن صاحب کو دعوت دی اور وہ کچھ کچھ مدت قیام فرمانے لگے، اور یہ حضرات بھی ان کی خدمت میں جانے کا اہتمام کرنے لگے، اوران کی طرف سے دونوں کواجازت وخلافت بھی حاصل ہوئی، اورحضرت مولاناسیدابوالحسن علی حسنی ندوی کی طرف سے بھی حاصل ہوئی۔

یہ دونوں اوردوسرے حضرات بھی ان کا بڑااحترام کرتے تھے، ایک تقریب کے موقع پرجبکہ لوگ آتے جارہے تھے، مصافحہ کے لئے مولانا زبیرصاحب اورمولانا سعدصاحب کی طرف پہلے ہاتھ بڑھانے لگے کہ ان کی زیادہ پہچان تھی، مگر یہ حضرات ہاتھ نہ بڑھاتے، پہلے حضرت مولانا افتخارالحسن صاحب کاندھلویؒ سے مصافحہ کو کہتے، حضرت مولانا زبیرالحسن صاحب کاندھلوی کی نماز جنازہ بھی نظام الدین مرکز میں حضرت مولانا افتخارالحسن صاحب نے پڑھائی اورحضرت مولانا افتخارالحسن کاندھلوی کی نماز جنازہ امیرتبلیغی جماعت مولانا محمد سعد کاندھلوی نے عیدگاہ کاندھلہ میں کثیرمجمع کوپڑھائی"رحمة الله رحمة واسعة"۔

سوانح

حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی قدس سرہ

حمید اللہ قاسمی کبیرنگری

تمہید:

حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلویؒ کا شماران چنیدہ علماء میں سے ہوتا تھا جن کو انگلیوں پر شمار کیا جاتا ہے، آپ برصغیر کے اس عظیم وممتاز خاندان کے روشن چراغ تھے جس میں صدیوں تک علماء، صلحاء، ارباب فضل وکمال اور بانیان تحریک پیدا ہوتے رہے، آپ کا تعلق ایک ایسے خانوادے سے تھا کہ جن کی شاخ میں اگر ایک طرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ ہیں، تو دوسری جانب بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ ہیں کہ جن کے نام سے ایک دنیا واقف ہے، ان حضرات کے کارنامے روز روشن کی طرح عیاں ہیں، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے آپ کے خاندان کی امتیازی شان اور اس کی مردم خیزی پر ایک جگہ لکھا ہے: ''ہندوستان کے ان چیدہ وبرگزیدہ خاندانوں میں جو صدیوں تک علم وفضل اور ذہانت وذکاوت کے گہوارے رہے ہیں، صدیقی اور شیوخ کا یہ ایک ایسا خاندان ہے جس کا اصل وطن جھنجھانہ اور وطن ثانی کاندھلہ، ضلع مظفرنگر ہے، یہ گھرانہ خوش قسمت خاندانوں میں سے ہے، جن کو اللہ تعالی نے قبولیت وعنایت سے نوازا، اس خاندان کی بنیاد کچھ ایسے صدق واخلاص پر پڑی تھی کہ صدیوں تک یکے بعد دیگرے اس میں علماء وفضلا اور اہل کمال پیدا ہوتے رہے''۔

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادت باسعادت ۱۱ر جمادی الاولی ۱۳۴۰ھ مطابق ۱۰ر جنوری ۱۹۲۲ء میں قصبہ کاندھلہ، ضلع مظفرنگر میں ہوئی، جہاں پر علم ودعوت، تقوی وطہارت کی بہت سی جامع شخصیات نے جنم لیا، خاتم مثنوی مفتی الٰہی بخش صاحبؒ کا تعلق بھی آپ ہی کے خاندان سے تھا۔

تعلیم وتربیت:

خاندان کے معمول کے مطابق قرآن کریم سے آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا، حافظ رحیم بخش صاحب کاندھلویؒ نے بسم اللہ کرائی، جس میں قرآن شریف کا کچھ حصہ حافظ بھکن صاحب کاندھلویؒ سے بھی پڑھا، بالآخر حافظ سعادت خان دیوبندیؒ کے پاس حفظ کی تکمیل ہوئی، حفظ کی تکمیل کے بعد آپ مرکز تبلیغ بستی حضرت نظام الدین دہلی تشریف لے گئے جہاں مدرسہ ''کاشف العلوم'' میں داخلہ لیکر ابتدائی فارسی اور عربی کی کتابیں پڑھنی شروع کیں، مگر آب وہوا کے ناموافق ہونے کی وجہ سے دوبارہ پھر کاندھلہ تشریف لے آئے اور شہر مظفرنگر کے قدیم ادارہ ''مدرسہ مرادیہ'' میں داخل ہوکر ابتداء سے شرح جامی تک کتابیں پڑھیں، مدرسہ مرادیہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۰ر شوال ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء کو جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے جہاں پانچ سال تک رہ کر سند فراغت حاصل کی۔

اساتذہ کرام:

آپ کے اساتذہ کرام میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی، مولانا عبداللطیف صاحب پرقاضوی، مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری، مولانا محمد اسعد اللہ صاحب رام پوری، مولانا عبدالشکور صاحب کامل پوری، مولانا عبدالرؤف صاحب بارہ بنکوی، حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مظفرنگری، علامہ صدیق احمد صاحب کشمیری، مولانا ظریف احمد صاحب، مولانا منیر احمد صاحب کاندھلوی، مفتی سعید احمد صاحب اجراڑوی، مولانا زکریا صاحب قدوسی اور مولانا امیر احسن صاحب کاندھلوی رحمہم اللہ کے نام سرفہرست ہیں۔

آپ کا علمی وروحانی مقام ومرتبہ:

آپ کا علمی مقام ومرتبہ بہت اونچا تھا، آپ ایک عظیم گھرانے کے چشم وچراغ ہونے کیساتھ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے، حدیث نبویؐ کے سلسلہ میں آپ کو امتیازی مقام حاصل تھا، آپ کی سند حدیث بہت اونچی تھی، آپ کی سند صرف دو واسطوں سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے جاملتی ہے، آپ ایک عظیم مفسر بھی تھے، آپ کا درس تفسیر پچاس سال کی طویل مدت تک جاری رہا، فقہ وفتاوی کی خدمات سے ایک زمانہ فیضیاب تھا، علم حدیث میں آپ کی مثال ڈھونڈنی مشکل تھی، کبھی کبھی آپ ''تحدیث بالنعمت'' کے طور پر فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ۶ رہزار حدیثیں سند ومتن کے ساتھ یاد ہیں، اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں ان کی عظیم خدمات ہیں، سو سے زائد دینی مدارس اور اسلامی مکاتب ان کی کوششوں سے قائم ہوئے، اسلامی تحریکوں اور تنظیموں کے سرپرست تھے، وہ بیک وقت واعظ تھے، خطیب تھے، مقرر تھے، مدرس تھے، مفسر تھے، داعی اور مبلغ تھے، ان تمام میدانوں میں اپنی امتیازی شان رکھتے تھے، آپ کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ بڑی بڑی حدیثیں زبان زد تھیں، جب وہ احادیث سنانے پر آتے تو بیسوں صفحات کی حدیثیں مع سند کے سنادیتے، متقدمین ومتأخرین کے علوم اور ان علوم کی معرکۃ الآراء بحثوں پر آپ کی گہری نگاہ تھی، ان کی مجلس میں بیٹھ کر ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے انہوں نے علوم وفنون کا سمندر پی رکھا ہو، آپ کا علمی مقام ومرتبہ جتنا اونچا تھا اس سے کہیں زیادہ روحانیت کے مقام پر فائز تھے، روحانیت وتصوف میں آپ کی خدمات آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہیں، اتباع سنت اور اصلاح عقائد کے باب میں آپ کا اپنا ایک مقام تھا، آپ سب سے پہلے حضرت مولانا الیاس صاحب سے بیعت ہوئے، ان کے انتقال کے بعد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے مشورہ سے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ سے بیعت ہوئے اور انہی سے چاروں سلسلوں میں اجازت وخلافت سے نوازے گئے۔

مولانا افتخارالحسن صاحب سے راقم کی ملاقات:

گذشتہ سال ۱۴ر فروری کو کچھ مہمانوں کے ساتھ کاندھلہ جانا ہوا، کاندھلہ پہنچنے پر راقم کو بڑی خوشی ہوئی، چونکہ اکابرین کی جگہوں میں سے صرف یہی ایک جگہ باقی رہ گئی تھی جہاں پر ابھی تک راقم نہیں گیا تھا، مغربی یوپی میں تقریباً ۱۵ رسال کا ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد یہ موقع اللہ تعالی نے عنایت فرمایا تھا، کاندھلہ پہنچنے کے بعد سب سے پہلے محقق ومؤرخ حضرت مولانا نورالحسن راشد صاحب کاندھلوی سے ملاقات ہوئی، انہوں نے ہم تمام واردین وصادرین کا پرتپاک استقبال کیا، تقریباً ایک گھنٹہ تک دینی وعلمی اور سیاسی امور پر خاص طور سے مدارس اسلامیہ کے بارے میں تبادلہ خیال ہوتا رہا، اس کے بعد انہوں نے اپنی لائبریری دکھائی جس میں کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے، بہت سی نادر کتابیں جو بڑی بڑی جگہوں پر نہیں ملتی وہ وہاں پر دستیاب ہیں، ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مولانا افتخارالحسن صاحب کاندھلویؒ سے ملاقات کے لئے ان کی خانقاہ میں گئے، حضرت سے ملاقات ہوئی اور مصافحہ بھی ہوا، وہیں پر مولانا شعبان صاحب بستوی مظاہری سے ملاقات ہوئی جو حضرت کے خادم ہیں، مولانا شعبان صاحب راقم کے علاقہ (کبیرنگر) کے رہنے والے ہیں، جو ایک مدت سے کاندھلہ میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

وفات حسرت آیات:

حضرت مولانا ایک عرصہ سے بیمار اور صاحب فراش تھے، البتہ معزز واردین اور صادرین سے مصافحہ کا موقع عنایت فرماتے رہتے تھے، بالآخر وقت موعود آپہنچا اور ۱۰۰ رسال سے زائد عمر پا کر ۲ر جون ۲۰۱۹ء مطابق ۲۷ر رمضان ۱۴۴۰ھ بروز اتوار شام ساڑھے پانچ بجے عصر کی نماز کے بعد اپنے مستقر محلّہ مولویان میں جان جان آفریں کو سپرد کی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آسماں ان کی لحد پر شبنم آفشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

رهنمائے طلبه

طلبہ تحریک کے مقاصد اور اہم وسائل

انجینئر مصطفیٰ محمد طحان..................ترجمہ: ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکل، کرناٹک

طالب علم کی تیاری :

(۱) طالب علم کو اعتقادی، فکری، جسمانی، روحانی اور علمی طور پر تیار کرنا جس سے وہ امت کا بوجھ اٹھانے اور اس کو ایک مناسب معیار تک ترقی دینے کی صلاحیت کا مالک بن جائے۔

(۲) طالب عالم کے ساتھ ساتھ طالبہ کو بھی معاشرے کا ایک بنیادی رکن ہونے کی وجہ سے تیار کرنا، کیونکہ عورتیں مردوں ہی کی طرح مسئول اور ذمہ دار ہیں۔

(۳) اختصاصی جماعتوں، پارٹیوں اور سیاسی قیادتوں کی تیاری، جس سے امت کی ترقی اور اس کے معیار کو بلند کرنے میں تعاون ملے۔

(۴) نوجوانوں کی صلاحیتوں کا استعمال، ان کی صلاحیتوں کا انکشاف اور ان کو ترقی دینا۔

(۵) ممتاز نوجوانوں پر توجہ، برتری حاصل کرنے والے اور اختراعی صلاحیت رکھنے والے نوجوانوں کی ہمت افزائی۔

طلبہ کے مسائل کا حل اوران کا تعاون :

طلبہ کے مسائل میں دلچسپی لینا اور ان کے حقوق کا دفاع کرنا۔

طلبہ برادری پر مادی، علمی، معاشرتی، فکری اور جسمانی اعتبار سے توجہ دینا۔

تعلیمی اداروں پرتوجه :

سرکاری، خانگی اور غیر ملکی یونیورسٹیوں کے حالات کی اصلاح کرنا، جس سے وہ معاشرے میں تعمیر کا وسیلہ بن جائیں، نہ کہ تخریب کا۔

مدرس کے ساتھ گھل مل جانا، اس کی قدر کرنا، اس سے استفادہ کرنا، اس کے سامنے خیر خواہی کا اظہار کرنا اور علمی، تعلیمی اور تربیتی ذمہ داری کو ادا کرنے میں اس کی مدد کرنا۔

نصاب تعلیم پر توجہ دینا اور منفی افکار سے اس کو پاک کرنا۔

یونیورسٹی لیول کی کتابوں کی اصلاح، ان کی فراہمی اور ان پر توجہ۔

اعلیٰ تعلیم پر توجہ دینا اور علمی تحقیقات کی ہمت افزائی کرنا۔

وزارت تعلیم وتربیت، یونیورسٹیوں کے ذمہ داران، تدریسی عملہ اور معلّمین کی تنظیموں کے ساتھ تعاون کرنا۔

امت کے تشخص کی حفاظت اور مسائل کا دفاع:

حب الوطنی کے جذبات کو فروغ دینا اور امت سے اپنی نسبت قائم کرنا

امت کے دین، اس کی زبان، وراثت اور اقدار کا تحفظ۔

امت کے مسائل سے وابستگی اور ہم آہنگی، فکری، اقتصادی اور عسکری حملوں کا مقابلہ۔

بلند اقدار کو پھیلانا، فتنہ وفساد کا مقابلہ اور ان چیزوں پر توجہ دینے والے اداروں کے ساتھ تعاون کرنا۔

صحیح افکار ونظریات کو متحد کرنے کی کوشش کرنا، جمہوری اور شورائی قدروں کو مضبوط کرنا اور آزادی کی حفاظت کرنا۔

طلبہ تحریکات کے درمیان برادرانہ روابط اور تعلقات میں پختگی لانا، دنیا میں پائے جانے والے منصفانہ مسائل اور امن وسلامتی کا تعاون کرنا۔

طلبہ تحریک تمام ممکنہ قانونی وسائل کو اختیار کرتی ہے، جن سے اس کے مقاصد پورے ہوتے ہیں:

طالب علم کی تیاری اور ٹریننگ:

طالب علم اپنی تہذیب، علوم اور تربیت کو مندرجہ ذیل چیزوں سے

مکمل کرتا ہے:

عالم دروس اور محاضرات۔

علمی اور تربیتی حلقے۔

کتاب ، محاضرہ ، نشریات ، تربیتی کورس ، سفر ،کیمپ ، ڈرامہ اور ورزش کے ذریعہ احساس وشعور کی بیداری اور اشاعت۔

طلبہ، طالبات، اساتذہ اور دوسرے اسٹاف کی مشترکہ ٹریننگ کی کوشش، معاشرے کی ترقی افراد کی فکر اور وسیع پیمانے پر ان کی تربیت سے ہوتی ہے۔

با مقصد کتابوں کی نشر واشاعت ، جن سے اعتقادی ، سیاسی ، اقتصادی، معاشرتی اور علمی پہلوؤں میں صحیح فکر ڈھالی جاسکے اور ان کے حصول کو عام طلبہ کے لئے آسان بنایا جائے۔

علمی مجالس اور محاضرات کا اہتمام کرنا، جن میں طلبہ اور امت کے منصفانہ مسائل پیش کئے جائیں۔

طلبہ برداری:

طلبہ برادری یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے تمام طلبہ، تدریسی عملہ اور اس میدان میں کام کرنے والے اور اس پر توجہ دینے والے تمام افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔

مادی :

مفت تعلیم کی سہولت فراہم کرنا۔

علمی اعتبار سے ممتاز طلبہ پر توجہ۔

درسی کتابوں کی فراہمی۔

طلبہ اور طالبات کو ہاسٹل کی فراہمی۔

طلبہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے والے اسلامی اوقاف کا قیام۔

علمی :

علمی اور اختصاصی مضامین کی بنیاد پر تعلقات استوار کرنا جس سے علمی معیار بلند ہو۔

علمی مجلّات اور رسائل جن کی تحریر میں طلبہ ماہر اساتذہ کی نگرانی میں حصہ لیں۔

تمام میدانوں میں معاشرے کی علمی ضرورتوں سے اعلی تعلیم کا تعلق پیدا کرنا۔

عام لائبریریوں کا قیام، جن سے طالب علم کو بحث وتحقیق اور معلومات کی فراہمی میں مدد مل سکے۔

معاشرتی :

کالجز اور یونیورسٹیوں کی سطح پر طلبہ تنظیموں اور انجمنوں کی تشکیل، جو یونیورسٹی میں اور اس سے باہر طلبہ کی نمائندگی کرے اور یونیورسٹی کی انتظامیہ کے سامنے ان کے مفادات کا دفاع کرے۔

یہ انجمنیں اداروں کے طویل سلسلے کی ایک کڑی ہے، جو سلسلہ طلبہ سے شروع ہوکر وظیفہ یاب جماعتوں سے گزرتے ہوئے حکومت اور پارلیمنٹ کے اداروں پر ختم ہوتا ہے، یہ معاشرے کی خدمت کے لئے تحریک کی ابتداء ہے۔

آفاقیت :

ملک کے مختلف علاقوں اور دوسرے ممالک کے طلبہ وطالبات پر مشتمل یونیورسٹیاں رنگ ، زبان ، نسل یا دین پر قائم تعصّبات کو ختم کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں اور دنیا کے کسی بھی علاقے میں پائے جانے والے انسانی حقوق کے سلسلہ میں ایک دوسرے کی مدد کرسکتی ہیں، یہ کام صرف تحریک کے لئے ضروری ہے کہ طلبہ کی غیر ملکی انجمنوں کے ساتھ بھی تعلقات ہوں ، تا کہ عالمگیریت اور آفاقیت کے معنی کی تکمیل ہو۔

عام پالیسیوں کی تیاری ، جن سے انسانی حقوق، قوموں کے درمیان مفاہمت اور باہم تبادلہ خیال اور اپنے حقوق حاصل کرنے میں اقلیات کا تعاون ہوتا ہو۔

دنیا کے ہر گوشے میں انسانیت کے ہر کام کو مادی تعاون فراہم کرنا۔

طلبہ کی عالمی تنظیموں کا قیام، ان میں شرکت اور ان کو فعال بنانا۔

مدرس :

مدرس کی علمی، تحقیقی، تربیتی اور انتظامی بہت ساری ذمہ داریاں ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ باصلاحیت اور اہل مدرسین کے انتخاب کا اہتمام کیا جائے۔

تدریسی پیشے سے منسلک ہونے کے لئے ممتاز طلبہ کی ہمت افزائی کی جائے۔

طالب علم اور مدرس کے درمیان مؤدت ومحبت کو پائیدار بنانے کی کوشش کی جائے، یہی تعلق طالب علم کے فائدہ اٹھانے اور مدرس کی صلاحیتوں کے نکھرنے کی بنیاد ہے۔

تدریسی عملہ کی ایسوسی ایشن، طلبہ تنظیمیں، یونیورسٹی کیمپس یا علمی مجالس مدرسین کے ساتھ طلبہ کے تعلقات کی استواری کی مناسب جگہیں ہیں۔

یونیورسٹی کتابوں کا تعاون:

یونیورسٹی کتابوں کی تیاری کی کوشش جو اپنے مضمون کے اعتبار سے طاقت ور اور امت کے قدروں کے ساتھ ہم آہنگ ہوں اور ان سے اصلاحی میدانوں میں یونیورسٹی کے مقاصد کی تکمیل بھی ہو۔

خالص علمی کتابوں کا مسئلہ نسبتاً کم دشوار ہوتا ہے لیکن انسانی علوم اور فنون کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے، جس کا تعلق شخصیت، اس کی نفسیات اور اس کے عقل واعتقاد کے ساتھ ہوتا ہے۔

خالص اختصاص علمی سیمینار منعقد کرنے کا اہتمام کرنا، جن سے مطلوبہ تحقیقاتی کاموں کی تکمیل میں مدد ملتی ہے۔

یونیورسٹی کی ترقی :

یونیورسٹی کے مدرسین، پروگراموں اور کتابوں کو ترقی دینے کی کوشش کرنا، جس سے یونیورسٹیاں امت کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرسکیں۔

دوسرے وسائل :

ان کے علاوہ بہت سے دوسرے وسائل بھی ہیں جن کی طالب علم کو اپنی تعلیم کے دوران ضرورت پڑتی ہے، جو وسائل اس کے سوچنے کے انداز، اخلاق کی درستگی اور اس کی صلاحیتوں کو ترقی دینے میں مدد کرتے ہیں، ان میں سے بعض وسائل یہاں بیان کئے جارہے ہیں۔

طلبہ کے سیمینار:

سیمینار طلبہ تحریک کے اہم وسائل میں سے ہے، اس کے ذریعہ طلبہ تحریک کے منصوبوں پر نظر ثانی کی جاتی ہے، اس کی حکمت عملی متعین کی جاتی ہے اور دوسروں سے تعلقات استوار کئے جاتے ہیں۔

طلبہ کے سیمینار دوسرے سیمیناروں کے مقابلے میں مندرجہ ذیل سرگرمیوں کی وجہ سے ممتاز رہتے ہیں:

۱-طلبہ اور طلبہ کے میدان میں کام کرنے والوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاقات کے مواقع فراہم ہوتے ہیں، چاہے وہ مختلف کالجز یا یونیورسٹیوں کے طلبہ ہوں یا مختلف ملکوں اور علاقوں کے ہوں، تاکہ تجربات کا تبادلہ، تعلقات کی استواری اور اس میں پائیداری ہو۔

۲-سیمینار میں طلبہ تحریک کے ذمے دار علاقائی، ملکی اور عالمی کاموں کی تفصیلات کے ساتھ جمع ہوتے ہیں اور اس میں شریک افراد کے افکار وخیالات اور مشوروں کی تلاش میں رہتے ہیں۔

۳- سیمینار طلبہ کے میدان میں کام کرنے والوں کے افکار ونظریات میں یکسانیت پیدا کرنے والے اہم وسائل میں سے ہے۔

۴-اس دوران طلبہ تحریک کی عام حکمت عملی مرتب کی جاتی ہے، اور نئے وجود میں آنے والے نئے امور کی روشنی میں ان پر نظر ثانی کی جاتی ہے۔

۵- طلبہ کے مسائل کے سلسلے میں تبادلہ خیال کئے جاتے ہیں اور ان کی مشکلات کو حل کیا جاتا ہے۔

سیمینار کی قسمیں:

مقامی سیمینار، اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم:

کسی ادارے یا طلبہ کی کسی خاص انجمن کا سیمینار، اس کی تیاری میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا چاہئے:

۱- کالجز اور یونیورسٹیوں کی انتظامیہ اور تدریسی عملے کو شریک ہونے کی دعوت دینا۔

۲- دوسرے اداروں کو شرکت کی دعوت دینا۔

۳- ملک کے تعلیمی ذمے داروں کو مدعو کرنا۔

۴- تیار کردہ منصوبوں کی روشنی میں عمومی رول یا افراد کے خصوصی رول کے اعتبار سے سابقہ تجربات کے تجزیے کا موقع فراہم کرنا۔

۵- آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرنا اور اہم امور کی از سر نو تعیین کرنا۔

۶- انتظامی کمیٹی میں ہر بار نئے طلبہ کو موقع دینا۔

دوسری قسم:

عام سیمینار جس میں طلبہ اور نوجوانوں کی تنظیموں اور اداروں میں کام کرنے والوں کو جمع کیا جاتا ہے، اس میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے:

۱- سیمینار کی سرگرمیوں میں شریک ہونے کی ہر تنظیم کو دعوت دینا۔

۲- سیمینار کی نگرانی کے لئے انتظامی کمیٹی تشکیل دینا، جس میں تمام تنظیموں اور اداروں کی نمائندگی ہو۔

۳- ملک کے سرکاری اداروں کو شرکت کی دعوت دینا۔

۴- پرچوں، مجلّات اور خبر رساں ایجنسیوں کو سیمینار کی رپورٹنگ کے لئے مدعو کرنا اور اس کی سرگرمیوں پر مشتمل یومیہ خبرنامہ جاری کرنا۔

۵- نوجوانوں اور طلبہ تحریک پر توجہ دینے والے افراد اور مفکرین کو محاضرات دینے اور علمی مجالس منعقد کرنے کی دعوت دینا۔

۶- متفقہ رائے سے سیمینار کے لئے مشترک مسئلہ اور موضوع کا انتخاب کرنا۔

۷- ہر تنظیم اور ادارے کو اپنے خیالات اور مسائل پیش کرنے کا موقع فراہم کرنا۔

۸- مختلف مسائل پر غور وخوض کرنے اور سیمیناروں کی تجویز کی تیاری کے لئے ذیلی کمیٹیوں کی تشکیل کا اہتمام کرنا۔

۹- اتفاقی نکات پر توجہ دینا، تاکہ سیمینار تفرقہ اور اختلافات کا اکھاڑا نہ بن جائے۔

۱۰- سرکاری اداروں کے سامنے ان تنظیموں کی نمائندگی کے لئے شریک تنظیموں کی نمائندگی کمیٹی تشکیل دینا، تاکہ طلبہ کے حقوق اور مسائل پر توجہ دی جا سکے۔

عالمی سیمینار:

ان سیمیناروں میں عالمی سطح پر طلبہ تنظیموں کو شامل کیا جاتا ہے، اس کے مقاصد مندرجہ ذیل ہیں:

۱- طلبہ کے تحریک کو آفاقی بنانا۔

۲- طلبہ کے تجربات کا تبادلہ۔

۳- ہر جگہ کے طلبہ کے مسائل کو پیش کرنا اور ان کا دفاع کرنا۔

۴- نوجوانوں کے بگاڑ، میدان عمل سے گریز اور اپنی قوم کے مسائل سے بے توجہی پیدا کرنے والے عالمی حملوں کا مقابلہ۔

مندرجہ ذیل طریقوں سے ان سیمیناروں کی صحیح اور بہترین تیاری کرنا ضروری ہے:

طلبہ کی صحیح نمائندگی کرنے والی تنظیموں کو مدعو کرنا۔

عالمی ترجیحی مسائل کو پیش کرنا۔

سیمینار کے عام موضوع پر مشتمل مستقبل میں فائدہ پہنچانے والے موضوع کا انتخاب کرنا۔

محاضرات دینے کے لئے اصحاب الرائے اور مفکرین کو مدعو کرنا۔

عالمی خبر رساں ایجنسیوں کو رپورٹنگ کے لئے مدعو کرنا اور سیمینار کی خبریں منظّم شکل میں ان کی خدمت میں ارسال کرنا۔

طلبہ تحریک کے عالمی مسائل پر توجہ دینا، مثلاً نسلی انتشار، انسانی حقوق کی پامالی، گرفتاریاں اور نظر بندی، سیاسی دباؤ، جماعتوں کی تشکیل میں طلبہ کی آزادی اور خود مختاری کو سلب کرنا جیسے امور سے طلبہ تحریک کی حفاظت کرنا اور اس سلسلے میں تعاون کی دعوت دینا۔

امت کے حالات سدھارنے میں نوجوانوں کے کردار پر توجہ۔

شر وفساد اور بربادی وتباہی لانے والی ان طاقتوں سے طلبہ کو چوکنا رکھنا، جس کا ہدف طلبہ ہی ہوتے ہیں۔

بامقصد عالمی طلبہ تحریک کی کوششوں میں تسلسل اور یکسانیت کی دعوت دینا۔

سیمیناروں کی تیاری اورانتظام :

طلبہ تحریک کے میدان میں کام کرنے والے افراد طلبہ کے سیمینار کی تیاری، انتظام، نفاذ اوراس کے بعد تجزیہ پر زیادہ توجہ دیتے ہیں، اس میدان میں مندرجہ ذیل امور پر زیادہ توجہ دیناضروری ہے:

''پہلی فرصت میں سیمینار کی تیاری اس طرح شروع کرنا کہ سرگرمیوں کی مکمل طور پرانجام دہی کے لئے کافی وقت ہو''۔

سیمینار کے لئے مختلف ذیلی کمیٹیوں کی تشکیل :

استقبالیہ کمیٹی جو تیاری اور انتظام کی نگرانی کرے، مثلاً پروگرام، مہمانوں کا استقبال، تشہیر وغیرہ، خبر رسانی کی کمیٹی، اختتامی بیان تیار کرنے والی کمیٹی، ذمہ داروں کے ساتھ ملاقات کرنیوالی کمیٹی وغیرہ۔

پہلی فرصت میں مدعوؤین، مہمانوں اور محاضرہ دینے والوں کی خدمت میں دعوت نامے ارسال کرنا اوران سے شرکت کی توثیق کرانا۔

مختلف رجحانات کے حامل افراد کو شریک کرنے اور تمام تنظیموں کو نمائندگی دینے کی کوشش کرنا۔

میڈیا کے تمام وسائل سے رابطہ اور بیانات جاری اور نشر کرکے سیمینار سے بہت پہلے اوراس کے دوران بھی نشریاتی مہم پرتوجہ دینا۔

ہنگامی حالات کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل اورضرورت کے وقت مداخلت کے لئے مناسب متبادل کی تیاری۔

پروگرام کے متعینہ اوقات کی پابندی۔

مہمانوں اور مدعوؤین کا استقبال اوران کی راحت کے لئے تمام وسائل کی فراہمی کی کوشش۔

سیمینار میں مقاصد کی طرف پیش رفت کی کوشش کے ساتھ ساتھ آزادی، شوری اور جمہوریت کی روح کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔

سیمینار میں آرام وراحت اورتفریح کے لئے الگ وقت متعین کیا جائے اور شہر کے سیاحتی علاقوں اورآثار قدیمہ کی زیارت کے پروگرام بھی شامل کئے جائیں۔

طلبہ تحریک کے میدان میں کام کرنے والوں کومہمانوں کے ساتھ ملاقات کرنے، ان سے متعارف ہونے اور ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی تاکید کرنا۔

طالبات کوشریک کرنے کا اہتمام کرنااور پوری سرگرمی کے ساتھ سیمینار کے تمام پروگراموں میں ان کوشرکت کا موقع فراہم کرنا۔

افتتاحی اور اختتامی جلسوں کا اہتمام کرنا اوران کو اچھے انداز میں پیش کرنا، کیونکہ یہی دونوں سیمینار کی جان ہوتے ہیں۔

تجزیے کے میدان میں مہیا تمام سہولتوں کے ذریعے تمام افراد کی موجودگی میں پوری سرگرمی کے ساتھ سیمینار کا تجزیہ کرنا۔

سیمینار میں منظور شدہ تجاویز اور خبریں طلبہ کی ان جماعتوں اور اداروں کی خدمت میں ارسال کرنا جو اجلاس میں شریک نہ ہوسکی ہوں، کیونکہ یہ تعلقات کا اہم ذریعہ ہے۔

سیمیناروں کے لئے اعلانیہ اور تشہیر:

سیمینار اور محاضرات کی وسیع اور بہترین پیمانے پرتشہیر کی جائے، طلبہ کی شرکت کویقینی بنایا جائے، محاضرے کے بارے میں تشہیر مندرجہ ذیل طریقوں سے کی جائے: بینرس اور پوسٹرس لگائے جائیں، سیمینار سے پہلے اعلانات کئے جائیں۔

سیمینار اور محاضرات کے ابتدائی اوراختتامی اوقات کا مکمل لحاظ کیا جائے۔

❁❁❁❁

دعائے مغفرت

مرکز کے استاذ جناب قاری محمد ندیم صاحب کھجناوری کی ساس مسماۃ مبینہ خاتون کا انتقال ہوگیا ہے، اناللہ وانا الیہ راجعون، قارئین حضرات سے مرحومہ کی مغفرت اور بلندی درجات کی گزارش ہے۔

عظمت دین

مدارس اسلامیہ دین کے مضبوط قلعے ہیں

محمد مسعود عزیزی ندوی

یہ مضمون دراصل راقم کا ایک بیان ہے، جو مدرسہ ''اشاعت القرآن'' موضع دبھیرہ خورد ضلع سہارنپور کے تعلیمی افتتاح کے موقع پر ۲۶ر دسمبر ۲۰۱۸ء بدھ کو اجلاس عام میں ہوا تھا، اس کی افادیت کے پیش نظر قارئین کی نذر کیا جارہا ہے۔

تمھید:

محترم دینی بھائیو! آپ کی بستی کے لئے آج کا دن بہت ہی مبارک دن ہے، اس لئے کہ اس بستی میں آج خالق کائنات کے کلام کی ابتداء اس ادارے کی شکل میں ہورہی ہے، آپ لوگ بہت ہی قابل مبارک باد ہیں اور بہت ہی سعید اور نیک بخت ہیں، اتنا عظیم کلام جس کا تعلق اللہ تعالی کی ذات سے ہے اور اتنا عظیم کلام جس کا پڑھنے والا عظیم ہوجاتا ہے اور سننے والا بھی عظیم ہوجاتا ہے، وہ عظیم کلام جس جگہ اس کو پڑھا جاتا ہے، وہ جگہ بھی عظیم ہوجاتی ہے، اور وہ ماحول بھی عظیم ہوجاتا ہے، تو اس ماحول میں اس کا افتتاح آپ کی عظمت کو سلام کررہا ہے، اور آپ کو تقدس عطا کررہا ہے، یہ تقدس اور یہ عظمت خود اس کلام کی برکت سے ہے، جس کا تعلق خالق کائنات سے ہے، اس لئے آپ لوگ بھی بہت عظیم ہیں، اللہ تعالی کی بارگاہ میں شکر ادا کیا جائے کہ اس نے اپنے عظیم کلام کے پڑھنے اور پڑھانے کا ایک موقع اور ایک ماحول تیار کیا ہے جو اس ادارہ کی شکل میں ہے جہاں پر آپ بیٹھے ہوئے ہیں۔

یہ ادارہ بھی ایک پاور ہاؤس ہے:

یہ ادارہ جس کا آج افتتاح ہے، یہ ایک پاور ہاؤس ہے، اس پاور ہاؤس سے علم کی روشنی پھیلے گی اور علمی روشنی جہاں جہاں تک جائے گی وہاں پر نورانیت کا ماحول ہوتا جائے گا اور اس کی شعاعیں اور اس کی کرنیں جہاں جہاں تک جائیں گی وہاں تک دلوں کے اندر انقلاب ہوتا جائے گا اور یہ فیض کی شکل اختیار کرے گا، جس فیض سے اللہ تعالی کے بہت سے بندے فیضیاب ہوں گے اور اپنے دلوں کو، اپنے ماحول کو، اپنے گرد و پیش کو منور کریں گے، اس پاور ہاؤس کی عظمت کا اندازہ آپ کو اس کلام الٰہی سے ہوسکتا ہے، اور اس کے نتائج جب آپ کے سامنے آئیں گے، آپ خود مسرور ہوں گے، آپ کی روح مسرور ہوگی اور جب اس کا فیض دور دور تک پہنچے گا، تو انشاء اللہ اس کی برکات اور اس کی روحانیت آپ کی بستی میں محسوس کی جائیگی، آپ کے بچے حافظ ہوں گے، وہ دینی تعلیم سے آراستہ ہوں گے، ان کی زندگی میں تبدیلی آئے گی، ان کی زندگی کے اندر انقلاب آئے گا اور پھر وہ بچے تیار ہوکر اسلام کی اشاعت کا جھنڈا اٹھائیں گے اور اسلام کی اشاعت اپنے اپنے طریقہ سے جہاں جہاں پر اللہ تعالی نے ان کیلئے مقدر کیا ہوگا، وہاں پر اسلام کی اشاعت کریں گے۔

پڑھنے اور پڑھانے کا کام پہلے ہی دن سے فرض ہے:

اصل بات یہ عرض کرنی ہے کہ اللہ تعالی نے پڑھنے اور پڑھانے کو اس امت پر پہلے ہی دن سے فرض کیا ہے، اس امت کا جس دن سے وجود ہوا، اللہ تعالی نے قرآن کریم کی پہلی وحی جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا کے اندر نازل فرمائی، اس میں ہدایت دی: ''اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ'' یہ وحی کی ابتدائی آیات ہیں، جس میں اللہ تعالی اپنے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دے رہے ہیں کہ پڑھئے! اپنے رب کے نام سے جس نے آپ کو پیدا کیا، اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے ہی

دن سے تعلیم کی ابتداء ہوئی۔

جس علم کاتعلق اللہ سے ہے وہ محمود ہے:

جو پڑھائی رب کے نام سے شروع ہوتی ہے، اللہ تعالی کو وہ پڑھائی وہ تعلیم مطلوب ہےاور جس پڑھائی کے اندر اللہ تعالی کا نام نہیں ہوگا، وہ پڑھائی پڑھائی نہیں اور وہ علم علم نہیں ہے، وہ سب کچھ ہوسکتا ہے مگر علم نہیں، جس پڑھائی کا تعلق اور جس علم کا تعلق رب سے ہے، وہ مقبول، محبوب اور محمود ہے، اسی سے زندگی کے اندر جلا پیدا ہوگا اور روشنی آئے گی، اسی لئے اسلام کے اندر دوئی نہیں ہے، اسلام کے اندر دنیاوی تعلیم اور دینی تعلیم نہیں بلکہ اسلام کے اندر تعلیم کوئی بھی ہو، آپ جغرافیہ، سائنس اور ٹیکنالوجی پڑھئے، جتنے بھی علوم ہیں تمام کو حاصل کیجئے، اگران کا تعلق رب سے ہے، تو سب چیزیں مطلوب ہیں، اگر آپ بخاری پڑھتے ہیں، آپ قرآن پڑھتے ہیں، دینی تعلیم پڑھتے ہیں؛ لیکن رب کا نام نہیں ہیں، یہ مقصود نہیں، یہ مطلوب نہیں، اسکی ضرورت نہیں؛ بلکہ وہ تعلیم جس کے اندر رب کا نام لیا جائے، وہ محبوب ہوتی ہے اور وہی اللہ تعالی کو پسند ہوتی ہے۔

اسلام کا مطالبہ علم نافع کا حاصل کرنا ہے:

قرآن کریم میں پہلے ہی دن سے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ پڑھو! اپنے رب کے نام سے اور علم نافع حاصل کیجئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللّٰھم انی اسئلك علمانافعاً " اے اللہ! مجھے علم نافع عطا فرما، اسلام کا مطالبہ ہے، علم نافع ہونا چاہئے، چاہے وہ کسی بھی طرح کا علم ہو، اگر وہ نافع ہے، اس سے آپ کی زندگی کے اندر نورانیت پیدا ہورہی ہے، آپ کی زندگی کے اندر فائدہ ہورہا ہے، اس کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت ہے، ایسا علم مطلوب ہے، ایسے علم کو طلب کیا جائے اور جس علم کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت نہ ہو، جس علم کے اندر ہدایت کی روشنی کی صلاحیت نہ ہو، ایسے علم سے بچا جائے۔

جوعلم نافع نہ ہو اس سے پناہ مانگنا چاہئے:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس علم سے انسان کو نفع نہ پہنچتا ہو، اس علم کو حاصل کرنے سے احتراز کرنا چاہئے، چونکہ جو علم نافع ہوگا وہی مقصود ہوگا اور جو علم نافع نہ ہوگا وہ مقصود ومحمود نہیں ہوگا، اور ایسے علم سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے: "اللّٰھم انی اعوذبك من علم لاینفع " اے اللہ! میں ایسے علم سے پناہ چاہتا ہوں جس کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت نہیں۔

نافع چیز کو اللہ تعالی باقی رکھتا ہے:

قرآن حکیم کے اندر بھی اللہ تعالی نے فیصلہ فرمادیا ہے جس انسان کے اندر، جس آدمی کے اندر، جس چیز کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت ہوگی، اللہ تعالی اس چیز کو باقی رکھے گا، جس چیز کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت نہیں ہوگی، اللہ اس کو ختم کردے گا: "فَاَمَّا الزبد فَیَذْھَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَایَنْفَعُ النَّاسُ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ" یہ جھاگ ہے، جھاگ تو ختم ہوجائے گا، جھاگ کی کیا حیثیت ہوتی ہے، آپ کو خود اندازہ ہوگا، جب پانی پر بلبلے اٹھتے ہیں، جب پانی کے اندر جھاگ پیدا ہوتا ہے، وہ چند منٹ کے اندر ختم ہوجاتا ہے، یعنی جس آدمی میں نفع پہنچانے کی صلاحیت نہیں وہ جھاگ کی مانند ہے؛ لیکن اللہ نے فرمایا کہ جس کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت ہوگی، اللہ اس کو باقی رکھے گا: "فَأَمَّا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ" اس کو زمین میں باقی رکھے گا، اگر اپنے آپ کو باقی رکھنا ہے، اپنے خاندان کو باقی رکھنا ہے، اپنی نسل کو باقی رکھنا ہے، اپنی چودہراہٹ اور اپنی ناک کو باقی رکھنا ہے، تو اپنے اندر نافعیت پیدا کیجئے، اپنے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت پیدا کیجئے، دنیا کے اندر آپ کا نام روشن ہوگا اور اگر آپ کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت نہیں تو دنیا میں آپ ایک بھیڑ کی مانند ہیں، بھیڑ میں ایک انسان کی کیا اہمیت ہوتی ہے؟ مگر جس کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت ہوتی ہے وہ قابل قدر ہوئے ہیں، لوگ اس کو یاد رکھتے ہیں اور جس کے اندر نفع پہنچانے کی صلاحیت نہیں ہوتی اس کو یاد نہیں رکھا جاتا۔

تعلیم کو اپنے رب کے نام سے جوڑو!:

جو چیز اللہ کے نام کے ساتھ شروع کی جاتی ہے، اس کی اہمیت ہوتی

ہے، اس لئے پہلے دن جو وحی نازل ہوئی اس میں ارشاد ہورہا ہے: ’’اقراءُ‘‘ کہ پڑھو! اپنے رب کے نام سے جس نے تم کو پیدا کیا اور جس نے انسان کو جمے ہوئے خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا اور تمہارا اس نام سے پڑھنا جس نے اس کائنات کو پیدا کیا، کائنات کا وہی مالک، کائنات کا وہی خالق، کائنات کے اندر جتنی چیزیں موجود ہیں، سب اسی کے نام کے ساتھ ہوں گی، اگر زندگی کے کسی میدان میں آپ کو حصہ دار بننا ہے، تو خالق کے نام کے ساتھ جوڑنا ہوگا ’’اقراء وربك الاکرم‘‘ پڑھو! اپنے رب کے نام سے جو بہت مکرم ہے، جس نے انسان کو قلم کے ذریعہ سکھلایا، انسان کو وہ سب باتیں سکھائیں جن کو وہ نہیں جانتا تھا، تو اس رب کے نام کے ساتھ اس تعلیم کو جوڑا جائے گا تو ترقی ہوگی، کامیابی ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اندر چار چاند لگیں گے اور وہ نفع بخش ہوگی، تو اس لئے آپ امت محمدیہ نبینا علیہ السلام کے غلام ہیں، آپ نے نبی کی نبوت کا اقرار کیا، آپ نے خدا کی الوہیت کا اقرار کیا، آپ نے اس کے احکام کو ماننے کا، اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کا، اس کی ہدایت پر چلنے کا اقرار کیا ہے، جو تعلیمات، جو ہدایات آپ کو دی جارہی ہیں ان پر عمل کرنا، یہ آپ کی ترقی کا ضامن ہوگا اور آپ کی دونوں جہاں میں سرخ روئی کا باعث ہوگا۔

بہترین انسان وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے:

دوستو! جس شخص کے اندر نافعیت ہوگی تو اس کا نام روشن ہوگا، اس سے دنیا میں اس کو عزت ملے گی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ اس کا اعزاز کریں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث کے اندر فرمایا: ’’خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ‘‘ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھلائے، یہ نہیں کہا گیا کہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو بہترین انجینئر ہو، یہ نہیں کہا گیا کہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو ڈاکٹر ہو، یہ نہیں کہا گیا کہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو ڈگری یافتہ ہو، یہ نہیں کہا گیا کہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو دنیاوی تعلیم یافتہ ہو، یا عصری تعلیم یافتہ ہو، یا اسکولی تعلیم یافتہ ہو، یا بڑی بڑی ڈگریاں لینے والا ہو، بلکہ یہ کہا گیا کہ تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے، قرآن کے ماحول میں رہے، قرآن کے ماحول میں زندگی گزارے، قرآن کو پھیلانے کی، قرآن کو سیکھنے کی، قرآن کو سیکھانے کی کوشش کرے اور اس سلسلہ میں مدد کرے اور قرآن سیکھنے والوں کا تعاون کرے، یہ اعزاز اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں، اس اعزاز کو باقی رکھنا ہے، اپنے اندر خیر پیدا کرنا ہوگا، خیر پیدا ہوگا قرآن کے ذریعہ سے، خیر پیدا ہوگا اسلام کی تعلیم کے ذریعہ سے اور خیر پیدا ہوگا اس ماحول کے اندر، جس ماحول کے لئے یہ ادارہ قائم کیا جارہا ہے۔

دینی مدارس شعائر اسلام کو باقی رکھنے کا ذریعہ ہیں:

آپ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں، آپ لوگ اس کی قدر کریں اور اس کی اہمیت کو جانیں، اگر آپ کو اپنا دین، اپنا ایمان باقی رکھنا ہے، اپنی نسلوں کے اندر ایمان کو باقی رکھنا ہے تو اس جیسے ادارے جگہ جگہ قائم کرنے ہوں گے، اس طرح کے ادارے چپے چپے میں قائم کرنے ہوں گے، تبھی آپ کا دین محفوظ رہے گا، تب ہی آپ کی داڑھیاں محفوظ رہیں گی، آپ کا معاشرہ محفوظ رہے گا، آپ کی وضع قطع محفوظ رہے گی، آپ ایک اسلامی ماحول کو محفوظ رکھنے والے بنیں گے، اگر یہ ادارے نہ ہوں، تو پھر آپ کی داڑھیاں، آپ کا دینی ماحول، آپ کی نمازیں اور آپ کے دینی شعائر سب ختم ہوجائیں گے، چونکہ اس کے ختم کرنے کی پوری پوری تیاریاں ہوچکی ہیں اور اس سلسلہ میں آئے دن کوششیں بھی کی جارہی ہے۔

دینی مدارس قرآن کی حفاظت کا ذریعہ ہیں:

لیکن قرآن کریم کو کوئی ختم نہیں کرسکتا چونکہ اس کے بچانے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے کر رکھا ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے: ’’انا نحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون‘‘ ہمیں نے اس قرآن کو نازل کیا اور ہمیں اس کی حفاظت کریں گے؛ لیکن اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہے، وہ حفاظت کرتا ہے اور یہ دنیا دارالاسباب ہے، یہاں اسباب اختیار کئے جاتے ہیں،

قرآن کی حفاظت کا ذریعہ یہی دینی مدارس ہوں گے اور اس کی حفاظت کیلئے جو لوگ معاون ہوں گے، تعاون کرنے والے ہوں گے، وہ قرآن کی حفاظت کرنے والے شمار کئے جائیں گے، وہ اللہ کے مقرب بندے ہوں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "مَـنْ يُّـرِدِ اللّٰـهُ بِـهٖ خَيْـرًا يُّـفَـقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ" اللہ جس شخص کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے یا اچھائی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے، اس کو دین کی تعلیم دیدیتا ہے، قرآن کی تعلیم دیدیتا ہے، قرآن کا شعور دیدیتا ہے، حدیث کا شعور دیدیتا ہے، تب ہی اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ ہوتا ہے، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو یہ دولت ملی ہے، اس لئے اس خیر کو حاصل کرنے کیلئے اللہ کے ان بندوں کی جماعت میں شریک ہونے کے لئے جو قرآن کریم کے محافظین ہوں گے، قرآن کریم کی حفاظت کرنے والے ہوں گے، آپ بھی ہوسکتے ہیں، اس شکل میں جب آپ اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیں، اس ماحول میں چھوڑیں، تب جاکر کہیں آپ اس محافظین کی جماعت میں شریک ہوں گے۔

دینی مدارس سے اپنا اپنا تعلق جوڑیں:

یہ دنیاوی قاعدہ ہے کہ آدمی جس پارٹی کا ہوتا ہے، تو پارٹی والا اس پر کرم کی، محبت کی کتنی عنائتیں کرتا ہے، کتنی شفقتیں کرتا ہے، اور جب ہم خالق کائنات کی پارٹی میں ہوں گے، تو خود خالق کائنات ہمارے ساتھ کیا کرے گا، آپ خود سمجھ سکتے ہیں، جب کسی بڑے کے ساتھ کسی کا تعلق ہوتا ہے، وہ بڑا اس کے ساتھ رحم وکرم اور شفقت کا معاملہ کرتا ہے، اس لئے ہم دینی مدارس سے اپنا تعلق قائم کریں، تاکہ ہمارا تعلق خالق کائنات سے ہوجائے، اگر ہمارا تعلق خالق کائنات سے ہوجائے گا، تو ہم خالق کائنات کی کتاب کی نشر واشاعت میں اپنی زندگی کو صرف کریں گے، تو خالق کائنات بھی ہماری طرف متوجہ ہوگا، وہ تو انصاف پسند ہے: "فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ" اگر آپ نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی یا ایک رائی کے برابر نیکی کی ہوگی تو اللہ تعالی انصاف دیکر رہے گا، اور اگر ذرہ کے برابر برائی کی ہوگی تو اس کا بھی بدلہ مل کر رہے گا، چونکہ قیامت کے دن پائی پائی کا حساب ہوگا، وہاں پر کسی قسم کی ظلم وزیادتی نہیں ہوگی۔

دینی مدارس سے تعلق جوڑنے کے اہم فائدے:

آپ لوگ جب دینی مدارس سے اپنا تعلق جوڑیں گے تو اللہ آپ کو نوازے گا، آپ کی نسلوں کو نوازے گا، اس کی شکل یہ ہوگی کہ آپ کا بچہ حافظ قرآن ہوگا اور جب آپ کا بچہ حافظ قرآن ہوگا تو اس کیلئے دنیا وآخرت میں بھلائی ہوگی، آخرت میں اللہ تعالی اس کے والدین کو ایسا تاج پہنائیں گے جس کی چمک اور دمک چودھویں رات کے چاند کے مانند ہوگی، اس کی لائٹ، اس کی روشنی سمندروں میں بھی، بحر وبر میں بھی، پہاڑوں میں بھی اور وادیوں میں بھی ہر جگہ ہوگی، جس طرح چاند کی روشنی ہوتی ہے، دنیا کی بڑی سے بڑی مرکری لائٹ ہو اس کی روشنی محدود ہوتی ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالی کی روشنی لامحدود ہے، کیونکہ اللہ تعالی کا چاند پورے عالم کے لئے ہوتا ہے، اس کی روشنی ہر جگہ ہوتی ہے، اس لئے بتلایا کہ چودھویں رات کے مانند ہوتی ہے، آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن کریم نازل ہو رہا تھا، تو اس وقت وہاں کے لوگ آج کی لائٹوں کو نہیں سمجھ سکتے تھے، اس لئے بتلایا گیا کہ چودھویں رات کے چاند کے مانند اس کو تاج پہنایا جائے گا، جس میں اس طرح کی چمک ہوگی، یہ تو اس کے والدین کا اعزاز ہوگا، اس کے علاوہ حافظ قرآن کے خاندان کے دس ایسے افراد کو بھی جن کو جہنم کا وارنٹ مل چکا ہوگا، جہنم جس کیلئے واجب ہوچکی ہوگی، ان کو جنت کا مستحق قرار دیا جائے گا، مگر جو لوگ اعتراض کرتے تھے کہ اس کو ملاجی بنا کر کیا ہوگا، اس کو حافظ جی بنا کر کیا ہوگا، یہ تو ملاجی ہوگا، ملا کی دوڑ مسجد سے گھر تک، یا ملا کی دوڑ گھر سے مسجد تک، اس کو کیا ملنے والا ہے، اسی لئے بتایا گیا ہے کہ اس کے والدین کو اس کے خاندان والوں کو یہ اعزاز ملے گا، پھر اس کو کیا اعزاز ملے گا جو خود حافظ قرآن ہوگا، اس کو کہا جائے گا کہ قرآن پڑھتے جاؤ چڑھتے جاؤ، جہاں تک پڑھتے پڑھتے تم پہنچوگے، وہاں تک تمہارے لئے جنت الاٹ کردی جائے گی۔

اللہ تعالی انسان کی نفسیات سے واقف ھیں:

اللہ تعالی انسان کی نفسیات سے واقف ہیں، انسان جس کا محل بڑا ہوتا ہے، اس کو عزت دیتا ہے، جس کا پلاٹ بڑا ہوتا ہے، اس کو عزت دیتا ہے، جس کا فارم پانچ سو بیگہ کا، تین ہزار بیگہ کا ہوتا ہے، اس کو عزت دیتا ہے، اور اس کو کہتے ہیں یہ ہمارے ایم پی صاحب کا فارم ہے، یہ ہمارے چیئرمین صاحب کا فارم ہے، رشتہ دار بھی فخر کرتے ہیں کہ یہ ہمارے ماموں یا کزن کا فارم ہے، تو گویا کہ اس کے ساتھ نسبت کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، تو اسی طرح اللہ تعالی انسان کی نفسیات سے واقف ہے، اس لئے جو حافظ قرآن ہوگا ہم اس کو اتنا بڑا فارم دیں گے، اتنا بڑا فارم الاٹ کریں، دنیا میں پانچ دس ہزار بیگہ کا فارم ہوتا ہے، زیادہ سے زیادہ دس ہزار بیگہ کا فارم ہوتا ہے حکومت بھی اس کے پیچھے لگ جاتی ہے کہ اتنے پیسے کہاں سے لایا، اللہ نے کہا کہ ہم اس کو اتنا بڑا فارم دیں گے، جہاں تک بڑھتا چلا جائے گا، جہاں تک یہ بڑھتا بڑھتا رک جائے گا، وہاں تک جنت اس کیلئے الاٹ کردی جائیگی اور صرف فارم ہی نہیں ہوگا بلکہ اپنے تمام تر لوازمات کے ساتھ حور وغلمان کے ساتھ، وہاں کی عیش وعشرت کے ساتھ، وہاں کے محلات کے ساتھ، یہ ساری چیزیں وہاں پر ہوگی اور اتنا بڑا محل اس کو ملے گا جس کو آپ ملا جی کہہ رہے تھے، جس کو آپ ترچھی نظروں سے دیکھ رہے تھے، جس کے بارے میں کہہ رہے تھے کہ اس کو پانچ چھ ہزار معمولی سی تنخواہ ملے گی، اس سے کیا ہونے والا ہے۔

روزی دینے کا وعدہ اللہ تعالی نے کررکھاھے:

"ومامن دابة فی الارض الاعلی اللّٰه رزقها" رزق کا وعدہ اللہ نے کیا ہے، جو مدرسہ میں نہیں پڑھ رہا ہے، اس کو بھی رزق مل رہا ہے، جو بھیک مانگ کر کھا رہا ہے اس کو بھی روزی مل رہی ہے، جو چوری کر کے کھا رہا ہے، ڈاکہ ماکر کھا رہا ہے، اس کے بچے بھی پل رہے ہیں، اس کا بھی مکان ہے، روزی اس کو بھی مل رہی ہے، اس کو اس بات پر محمول نہ کیجئے کہ قرآن پڑھ کر پانچ ہزار ملے گا، دس ہزار ملے گا، تھوڑی سی تنخواہ ملے گی، اس سے کیا ہوگا، آپ حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ قرآن کا کیا مقام ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے ہیں تم میں بہترین شخص وہ ہے جو قرآن کو سیکھے اور سکھلائے، قرآن کو پڑھے اور پڑھائے، یہ مقام اس قرآن کی نسبت سے ملے گا جس قرآن کو کسی نے اپنی اولاد کو پڑھایا ہوگا، اس دنیا اور آخرت میں عزت ملے گی، اسی کام کیلئے یہ ادارہ "اشاعت القرآن" قائم کیا گیا ہے، جو قرآن کی اشاعت کرے گا، قرآن کے فیض کو دنیا میں پہنچائے گا، اس کی برکت سے آپ کو بھی فیض ہوگا، آپ کے محلے کو بھی، آپ کی بستی کو بھی، آپ کے علاقے کو بھی اس کا فیض پہنچ جائے گا اور انشاء اللہ سب لوگ انعام کے مستحق قرار پائیں گے۔

اپنی اولاد کو دینی مدارس میں بھیجیں:

میرے ایمانی اور دینی بھائیو! آپ اپنے ننھے معصوم بچوں کو مدرسہ میں قرآن سیکھنے کیلئے بھیجو، تا کہ ان کو قرآن سکھلایا جائے، ان کو دینی تعلیم سکھائی جائے، کیونکہ قرآن سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں ہے، ایک واقعہ ہے کہ ایک بزرگ نے دیکھا کہ ایک قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے، بزرگ چپکے سے اپنا پیر دبائے اور آگے نکل گئے، ایک مدت کے بعد پھر اسی راستے سے واپس ہوئے، تو دیکھا کہ نور کے فرشتے نور کا طبق لیکر اسی قبر پر کھڑے ہوئے ہیں، یہ منظر دیکھ کر اس بزرگ نے معلوم کیا، تو پتہ چلا کہ یہ شخص بہت خراب انسان تھا؛ لیکن اس نے اپنی بیوی کو چھوڑا تھا اور اس کو حمل تھا، کچھ دنوں کے بعد ایک لڑکا پیدا ہوا، لڑکا جب بڑا ہوا تو اس کی ماں نے اس کو لیکر مدرسہ میں گئی، جہاں اس کا داخل کرایا، بچہ اللہ کا نام لیکر شروع کیا اور اللہ! اللہ! کرنے لگا، تو اللہ تعالی کو شرم آئی کہ فلاں کا بیٹا میرا نام لے رہا ہے زمین کے اوپر اور میں اس کے باپ کو عذاب دے رہا ہوں زمین کے اندر، یہ مجھے گوارا نہیں کہ میں اس کے باپ کو عذاب دوں، اس لئے میرے دوستو! آپ اپنے بچوں کو دینی مدرسہ میں داخل کرو، تا کہ آپ کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائے، اللہ تعالی ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ ۞

یادرفتگاں

آہ! مولانا محمد غزالی ندوی رحمتہ اللہ علیہ

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی نائب مدیر ''تعمیر حیات''، لکھنؤ

محمد غزالی ہو یا محمد الغزالی، یہ نام امام ابو حامد محمد الغزالی کی طرف ذہن دوڑاتا ہے، بعض ناموں میں بڑی کشش ہوتی ہے، انہی ناموں میں ایک نام الغزالی ہے، نام اپنا اثر ڈالتے ہیں، اور حوصلہ بخشتے ہیں، مگر آدمی وہی انجام دیتا ہے جو اس کے نصیب میں اللہ نے رکھا ہے۔

محمد غزالی مرحوم کا آغاز شاندار تھا، ابھی چہرہ پر بال نہیں آئے تھے مگر عربی، اردو اور انگریزی کی اچھی لیاقت پیدا کر لی تھی اور تینوں زبان میں ثانوی درجات سے انعامی مقابلوں میں نمایاں نظر آنے لگے اور اپنی خطابت کے جوہر دکھائے، ان کا خاندان علم وفضل کا خاندان ہے، ان کے نانا حاجی محمد ابراہیم صاحب مرحوم ایک بزرگ شخص تھے، انہوں نے مشہور بزرگ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کے نام پر اپنے بیٹوں کے ناموں میں ہر نام کے ساتھ اشرف لگایا اور سب کو دینی تعلیم میں لگایا، سب سے بڑے مولانا امین اشرف قاسمی، پھر مولانا ثمین اشرف قاسمی، مولانا فطین اشرف فاضل جامعہ عربیہ ہتھوڑا باندہ، مولانا رزین اشرف ندوی، مولانا ڈاکٹر یمین اشرف ندوی، مولانا معین اشرف ندوی، مولانا مکین اشرف ندوی، ان چاروں ندوی فضلاء میں مولانا رزین اشرف اور ڈاکٹر یمین اشرف راقم سطور کے درجہ کے ساتھی تھے، ان کی نسبت سے محمد غزالی ندوی سے میرا تعلق بڑھا، یہ مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی میں داخل ہوئے تھے، اوران کے دوسرے ماموں معین اشرف بھی وہاں زیر تعلیم تھے، غزالی مرحوم ان سے ایک درجہ آگے تھے اور ثانویہ خامسہ میں تھے، اور اپنے درجہ کے ساتھیوں میں سب سے کم سن، غالباً ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء کی ان کی پیدائش تھی، ۱۳/سال کی عمر ہوگی، ذہانت ان کے چہرہ سے نمایاں تھی، اساتذہ سے ان کا اچھا ربط تھا اور جو بڑے علماء تشریف لاتے، ان سے بھی اپنے اساتذہ کے ساتھ ملتے، استاد کے ساتھ ان کا سعادت مندانہ رویہ تھا، ایک استاد کے ساتھ ان کا رویہ دیکھ کر ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے ان استاد سے پوچھا کہ کیا یہ آپ کے بیٹے ہیں؟ یہ استاد مولانا عبدالسبحان ندوی بھٹکلی ہیں۔

میرا ابھی نیا نیا تقرر ہوا تھا، اپنے ماموں کے ساتھی ہونے کی وجہ سے مجھ سے سلیک علیک تھی، ان کی اٹھان کو دیکھ کر کچھ لکھنے پڑھنے کے کام سپرد کئے، سیدۃ النساء حضرت فاطمہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مطالعہ اور پھر کچھ کر لانے کو کہا، کیا معلوم تھا کہ بات زبان سے نکلے اور عمل ہو جائے گا، اس سے انہیں اور حوصلہ ملا کہ یہ مضمون مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی نے اپنے رسالہ ''رضوان'' میں شائع کرا دیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا اپنے وطن تکیہ کلاں رائے بریلی خوب قیام رہا کرتا تھا، یہ خدمت میں حاضر ہوتے، مجلسوں میں بیٹھتے اور علمی اور دینی استفادہ کرتے، قرآن مجید بہت اچھا یاد تھا اور اچھا پڑھتے تھے، حضرت مولانا کو سنایا اور دعائیں لیں۔

عربی جداری پرچہ ''النور'' بھی اپنے رفیق درس مولانا رحمت اللہ ندوی استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ نکالا، پھر جس کی دوسروں نے پیروی کی، دو سال رائے بریلی میں رہ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ ندوۃ العلماء کی راہ لی، اچھے نمبرات سے کامیاب ہو گئے، بات قرآن مجید کی نکلی، مولانا سلیم اللہ ندوی استاذ ندوۃ العلماء نے بتایا جو ان کے ماموں مولانا مکین اشرف ندوی کے خسر بھی ہیں اور ان لوگوں کے احوال سے اچھے واقف کار کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حفظ

وقرأت کا مقابلہ مولانا محبوب الرحمٰن ازہری علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں ہوا کرتا تھا، اس میں غزالی نے حصہ لیا اور اول آئے، مزید یہ کہ اسی پر انہیں عمرہ کا موقع دیا گیا اور اپنے گھر سے بیت اللہ تک وہ پہنچ گئے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ایک مثالی طالب علم کی طرح وہ رہے، عالمیت وفضیلت کی، پھر خدمت علم ودین کے ان کو مواقع ملے، موریسس میں دو سال گزارے اور اچھا اثر چھوڑ کر دبئ آ گئے، جہاں ان کے وہ ماموں تھے جنہیں ان کا خسر بھی ہونا تھا، وہ اپنے علم، فہم دین اور جذبہ دعوت واصلاح میں اچھی شہرت بھی رکھتے تھے، مشائخ ثلاثہ مولانا حکیم محمد اختر کراچوی، پیر ذوالفقار نقشبندی اور شاہ محمد قمرالزماں الہ آبادی کے مجاز بھی اور کئی کتابوں کے مصنف جن میں ''الاحادیث القدسیہ'' کا سلسلہ خاص طور پر قابل ذکر ہے، یہ شخصیت مولانا ثمین اشرف قاسمی کی ہے، ان کی تربیت ان کو حاصل ہوئی اور دبئ میں حکومت کے ایک وزیر کی مسجد میں امامت وخطابت کے مواقع مل گئے، مگر علی گڑھ انہیں کھینچتا رہا، جہاں ان کے والد مقیم تھے۔

''برالوالدین'' کا یہ موقع انہیں افضل الاعمال نظر آیا اور وہ علی گڑھ آ گئے، علی گڑھ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شاخ مدرسۃ العلوم الاسلامیہ کے بانی ناظم ڈاکٹر محمد غیاث صدیقی ندوی کی نظر باصلاحیت وباصلاح نوجوان پر رہتی تھی، یہیں سے ان کی مدرسۃ العلوم الاسلامیہ سے وابستگی ہوگئی، یہاں پڑھانے لگے اور اس کے ساتھ طلبہ کی مالی اعانت اور علمی ودینی رہنمائی بھی کرتے، ادھر طلبہ ان سے متاثر ہوتے گئے اور ڈاکٹر صاحب کو ایسا تعلق خاطر ہوا کہ وہ ان سے مشورہ کرتے، سفروں میں ساتھ رکھتے اور ان کے صلاح کو دیکھتے ہوئے اپنی نماز جنازہ کے لئے دو تین لوگوں کے جو نام لئے، ان میں ایک نام محمد غزالی مرحوم کا بھی تھا۔

مدرسہ میں ایک کامیاب استاد سے ترقی کر کے وہ انتظامی امور بھی دیکھنے لگے، نائب مہتمم اور ناظم تعلیم کی حیثیت سے مدرسہ کی خدمت کی ان کی صلاحیتیں مزید اس طرح بھی سامنے آئیں کہ دعوتی، فکری اور دفاع اسلام کی کوششوں میں وہ حصہ لینے لگے، اور اسلام کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں وسازشوں کو جدید وسائل ابلاغ سے سمجھنے کے ساتھ اس کے مقابلہ کی تحریکوں اور کاموں سے اچھی واقفیت پیدا کی، وہ ایک شاب صالح ورشید تھے، اپنے رفقاء کار، انتظامیہ اور چھوٹوں سب میں محبوب ومقبول تھے، غیر مسلموں میں دعوتی کام کی انہیں بڑی فکر پیدا ہوگئی تھی اور وہ اپنے استاد مولانا سید بلال عبدالحئ حسنی ندوی کی سرپرستی میں اس کے لئے کوشش کرنے لگے، معلوم ہوا کہ زندگی کی آخری شب میں جو جمعہ کی شب تھی، ۲۳/ جون ۲۰۱۹ء کو اوکھلا دہلی میں ورکشاپ میں اپنے رفقاء کے ساتھ حاضری کا عزم فون پر بات کر کے ظاہر کر چکے تھے، اور کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ بیمار ہیں، جمعہ کی تیاری میں انہوں نے آخری سانسیں لیں اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے: ''انا للہ وانا الیہ راجعون، لله ما أخذ وله ما أعطى و كل شئ عنده بأجل مسمىٰ''۔

جنازہ میں بڑی تعداد نے شرکت کی، ان کے وطن بہار اور امارات وغیرہ میں مقیم اعزہ واقارب بھی پہنچ گئے تھے، ۱۰/ شوال ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۴/ جون ۲۰۱۹ء کو وفات ہوئی اور اگلے روز تدفین عمل میں آئی، چالیس بہاریں ان کے حصہ میں آئیں، اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا فرمائے اور والدین کو صبر وسکون رضا بالقضاء اور آل واولاد کی حفاظت فرمائے۔

❁❁❁❁

محترم قارئین! آپ سبھی حضرات سے گزارش کی جاتی ہے کہ ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کی ایجنسی ہر شہر میں قائم کریں اور ''نقوش اسلام'' کے فروغ میں حصہ لیں، جو ایک دینی تحریک ہے، کم از کم دس رسالوں سے آپ ایجنسی قائم کر سکتے ہیں۔

نوٹ:

دس ممبر بنانے پر ایک رسالہ مفت بھیجا جائے گا۔ (ادارہ)

تجزیہ

زبان وادب میں اردو کی کرشمہ سازی

مولانا افتخار احمد قاسمی استاذ جامعہ ''اشاعت العلوم'' اکل کوا، مہاراشٹر

انسان اپنی ظاہری شکل وساخت اور باطنی کیفیات وصفات کے اعتبار سے کائنات کے تمام جانداروں پر فضیلت وفوقیت کا ایک امتیازی مقام رکھتا ہے، اس کے اس تفوق وبرتری کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب اس کی زبان اور اس کا ادب ہے، مشہور ہے کہ انسان ''حیوان ناطق'' ہے، یعنی وہ اپنی زبان سے بامعنی الفاظ وکلمات کو مناسب صوت وآہنگ کا دلکش رنگ دیتا ہے اور اپنے مافی الضمیر کو معقول تعبیر کا حسین جامہ پہناتا ہے۔

یہ انسان ہی کے امتیازات میں سے ہے کہ وہ نہ صرف زبان وادب کو اپنے ذہن وفکر کی ترسیل وابلاغ کا ذریعہ بناتا ہے، بلکہ اس سے اپنے فکر وخیال کی نشو ونما اور اس کی تخلیق وترقی کا بھی کام لیتا ہے، قسم قسم کے سوالات، بھانت بھانت کی عقلی گتھیوں کا حل، نوع بہ نوع کی علمی موشگافیوں کی سلیقہ مندی اور طرح طرح کے دلائل کی کرشمہ سازی سب انسانی زبان وادب ہی کی مرہونِ منت ہے، انسان اگر اپنے اقدار کے شعور اور تہذیب وتمدن کے قیام میں دیگر حیوانات سے ممتاز ہے تو یقیناً ان سب کا انحصار زبان وادب ہی کی صلاحیت پر موقوف ہے، انسان کی یہی وہ فطری سلیقہ ہے جو روزِ اول سے کی جانے والی اس کی دماغی کاوشوں، علمی تخلیقات، مادی ایجادات اور ان سب کی تاریخ کا محض ریکارڈ ہی نہیں رکھتا؛ بلکہ انہیں ہر زمانہ کے ہر فرد کے لیے قابل فہم، قابل عمل، قابل قدر اور قابل اعتبار بناتا ہے۔

تاریخ انسانی میں جتنے بھی انقلاب آئے، خواہ وہ انفرادی انقلاب ہو یا اجتماعی، خانگی انقلاب ہو یا معاشرتی، مذہبی انقلاب ہو یا سیاسی؛ ان ساری تحریکات کا خمیر زبان وادب ہی کی خاک سے اٹھا تھا، چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ تمام پیغمبروں، مصلحوں، سیاسی لیڈروں اور انقلابیوں نے ہمیشہ زبان وادب کے سہارے اپنی تحریک کو آگے بڑھایا اور اس میں نمایاں کامیابی حاصل کی، یہی وجہ ہے کہ مذہب وانقلاب پر مشتمل آج تک جتنی بھی معتبر کتابیں پائی جاتی ہیں، وہ زبان وادب کا بہترین نمونہ سمجھی جاتی ہیں۔

فرد یا قوم کی زندگی میں اصلاح وانقلاب اور اس کی روحانیت کے احیا وبقا کے لیے زبان وادب اتنا ہی ناگزیر ہے، جتنا کہ مادی زندگی کے لیے آب ودانہ، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم میں دعوت واصلاح کا مشن سونپا گیا، تو انہوں نے اللہ رب العزت سے دعا فرمائی: ''رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَ یَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ''۔ (طٰہٰ: ۲۵-۲۸)

اے رب! میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام کو آسان بنادے اور میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھیں۔

مزید اپنی لسانی معذوری کے سبب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے فصیح اللسان بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو دعوت واصلاح کے لیے انبیائی کام میں مددگار اور شریک کار بنانے کی اللہ کے حضور درخواست کی، جو قبول ہوئی، فرمایا: ''وَ اَخِیْ هَارُوْنَ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً''۔ (القصص: ۳۴)

اور میرا بھائی ہارون (علیہ السلام) اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے، سو آپ اسے میرے ساتھ مدد کو بھیجئے۔

آج پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کا سہارا لے کر ادب اور ثقافت کے نام پر انسان نما شیطانوں کی طرف سے جس قدر اخلاق

سوز بے ادبی اور بے حیائی کی تبلیغ واشاعت کی جا رہی ہے، وہ ہر کس وناکس پر عیاں ہو چکی ہے، لہٰذا اصلاح وانقلاب کے داعیوں کو زبان وادب کی تاثیر اور اس کی قدر و قیمت کو اچھی طرح سمجھ کر اس میں مہارت پیدا کرنے اور اس سے ہر ممکن کام لے کر دم توڑتی ہوئی انسانیت کو بچانے اور صالح انقلاب کے لیے ہر طرف فضا سازگار بنانے کی حتی المقدور جدوجہد اشد ضروری ہے۔

زبان وادب کی حقیقت اور اس کی تسخیری قوت:

زبان افکار و خیالات کی تفہیم و افہام اور مافی الضمیر کے اظہار وابلاغ کا ایک بلا واسطہ انسانی ذریعہ ہے اور ادب لغت میں خوش طبعی، تہذیب وشائستگی کا معنی رکھتا ہے اور اصطلاح میں زبان کا وہ علم ہے، جو انسان کو بول چال اور تحریر کی غلطیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور کسی قوم کے اجتماعی احساسات، جذبات اس کی زندگی اور جدوجہد کی داخلی تاریخ کا پتہ دیتا ہے، مگر ادباء کے یہاں ادب کی امتیازی علامت یہ ہے کہ اس میں موضوع کی عظمت، الفاظ کی خوب صورت بندش، جملوں کی عمدہ ترکیب اور اسلوبِ نگارش میں جمالیاتی اظہار کا ایسا وافر سامان پایا جاتا ہو جو قاری کو محض مسرت وبصیرت ہی فراہم نہ کرتا ہو؛ بلکہ اسے اپنے فسوں کے جال میں لے کر اس پر اثر پذیری کی گہری چھاپ چھوڑ جاتا ہو، بالفاظ دیگر ادب معیارِ حسن پر الفاظ وتعبیرات کا وہ استعمال ہے جو انسانی عقل، تخیل، وجدان اور محسوسات کو اس طرح برانگیختہ کرتا ہے یا انہیں آپس میں ایسا مربوط کر دیتا ہے، جس سے قاری پر عین تقاضے کے مطابق ایک خاص قسم کا مسرت انگیز اثر مرتب ہو جاتا ہے۔

فن ادب کا ماہر فن کار اپنی تخلیق میں خونِ جگر کی آمیزش سے ایسا رنگ بھر دیتا ہے اور سادہ و معمولی باتوں میں تاثیر کا ایسا جادو جگا دیتا ہے کہ پڑھنے اور سننے والا اس کی ندرت سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، چونکہ ادب کا خمیر فکری قوت اور جمالیاتی لطافت سے تشکیل پاتا ہے، لہٰذا یہ دیگر فنون کے مقابلے میں دوہری قوتِ تسخیر کا حامل ہے اور ادب کی یہی تسخیری قوت ہے کہ بعض اوقات کسی فکر کو ادبی پیرایۂ بیان میں اس انداز سے پیش کیا جاتا ہے کہ اس کا مخالف بھی غیر شعوری طور پر اس فکر کا بتدریج قائل اور گرویدہ ہوتا چلا جاتا ہے۔

ہندوستان میں اول دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دینے والے صوفیائے کرام ادب کی اس تسخیری قوت سے اچھی طرح واقف تھے، لہٰذا انہوں نے ہندوستان کی مقامی زبان ریختہ اردو نیز یہاں دیگر بولی جانے والی زبانوں کے ادبی اسلوب اپنا کر اپنی دعوتِ حق کو نظم ونثر کے پیرایہ میں اس طرح پیش کیا کہ یہاں کے باشندوں کے قلوب قبولِ حق پر یک لخت آمادہ ہوگئے اور آج کی باطل طاقتیں بھی زبان وادب کی اس قوتِ تاثیر سے بھر پور کام لے رہی ہیں، چنانچہ ادب اور لٹریچر (Literature) کے نام پر اپنے باطل افکار کے لیے مختلف قسم کی ادبی تحریکات کے ذریعے نوخیز نسل کے جدید ذہنوں کو مسخر اور ماؤف کیا جا رہا ہے اور غیر محسوس طور پر ان کے دماغوں میں فکری الحاد اور نظری ارتداد کا زہر گھولا جا رہا ہے۔

زبان وادب کے حوالے سے ''لفظ'' اور ''تعبیر'' کی طاقت ہر دور میں اپنا جادوئی اثر دکھاتی رہی ہے کبھی لفظ اور تعبیر سے پھول اور شبنم کا کام لیا گیا تو کبھی زنجیر اور شمشیر کا، اس سے کبھی کاری زخم لگایا گیا تو کبھی رِستے زخموں پر مرہم اور پھاہا رکھا گیا، لفظ سے نبیوں اور ولیوں نے بھی کام لیا اور وقت کے ابلیسوں نے بھی، معروف محقق اور نقاد پروفیسر احمد سجاد کیا خوب کہتے ہیں کہ: ''یہی الفاظ کبھی کرشن جی کی بانسری میں گیت بن کر ڈھلے ہیں، تو کبھی مہاتما بدھ کے لبوں پر شانتی کا اُپدیش بنے ہیں، یہ کبھی حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سے پہاڑی وعظ میں ڈھلے ہیں تو کبھی سینٹ فرانسیس، نانک اور چشتی کی اثر آفریں دعاؤں میں ابھرے ہیں اور یہی الفاظ مسخ ہو کر مسولینی، اسٹالن اور ہٹلر کی زبانوں سے موت، نفرت، ظلم وستم کے زہر اُگلنے والے سانپ بھی بنے ہیں، کسی شاعر نے سچ کہا ہے کہ ؎

لفظ ہی پھول بھی ہے، لفظ ہی زنجیر بھی ہے
لفظ ہی زخم بھی ہے، لفظ ہی شمشیر بھی ہے

لفظ ہی خواب بھی ہے،خواب کی تعبیر بھی ہے
لفظ میں نور سمودیں تو ستارہ بن جائے
دل جو رکھ دیں تو لب نازک کا بوسہ بن جائے
اور بارود جو بھر دیں تو دھماکہ بن جائے
لفظ کو پھر بھی نہ مجرم نہ خطا کار کہو
لفظ سے کھیلنے والوں کو گنہگار کہو

تعمیری ادب اور تخریبی ادب:

زبان وادب الفاظ وتعبیرات کے استعمال کا ایک دوطرفہ کھیل ہے، جس میں زندگی سے متعلق دوتعبیروں میں سے کسی ایک کا مثبت یا منفی مظاہرہ ہوتا ہے،ایک تعبیر روحانی ہے اور دوسری مادی۔

مادی تعبیر کے لحاظ سے ادب الفاظ وتعبیرات کی ایک ٹریجڈی (Tragedy) ہے، جو ''ادبی فیشن'' کے مترادف اور بے ادبی کا شاخسانہ ہے،یہی ادب تخریبی ادب کا مصداق ہے،جس میں ادیب کا دامن ذاتی فاسد افکار اور بے ہودہ فلسفہ طرازی سے الجھا رہتا ہے اور ادب کی زمین پر بے بصیرتی وبے ضمیری کا ایسا سیلاب امڈ آتا ہے جو تمام اعلیٰ اخلاقی قدروں کو تہہ وبالا کر کے رکھ دیتا ہے اور پھر ادب کی معنویت تحلیل ہوکر بے مقصدیت وبے سمتی تک اور اس کی روح مسخ ہوکر بے ہودگی وخرافات گوئی تک پہنچ جاتی ہے۔

ایسے ہی مادہ پرستانہ ادب کی بے معنویت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے مغرب کا ایک بڑا دانش ور اور فن کار ''ٹی،ایس ایلیٹ'' کہتا ہے کہ ہوش مندی کے انقطاع کا ایسا سلسلہ شروع ہوگیا،جس کی ہم کبھی اصلاح نہ کر سکے اور ''روڑموں'' کا مشہور قول ہے کہ وحشت وبربریت کامیاب ہوگئی ہے اور ہماری فطرت کے درندہ صفت عناصر نے اپنا نقطۂ نظر ہم سے منوالیا ہے اور ایسے ہی لایعنی ومادی تعبیر کے دلدادہ ادیبوں پر صدیوں پہلے قرآن کی نازل شدہ یہ آیت چسپاں ہوتی ہے، جس میں وعید ہی وعید اور تنبیہ ہی تنبیہ ہے،قرآن کہتا ہے:'' وَ مِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّشۡتَرِیۡ لَهۡوَ الۡحَدِیۡثِ لِیُضِلَّ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ وَّ یَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِیۡنٌ''۔(سورہ لقمٰن:۶)

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو بے ہودہ بات خرید لاتے ہیں،تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں بغیر علم کے اور اسے مذاق بنا لیں؛یہی ہیں جن کے لیے اہانت آمیز عذاب ہے۔

مادی ادب یا تخریبی ادب دراصل الفاظ کے توڑ پھوڑ کی ''ادبی دہشت گردی'' ہے،جس میں خودغرضی وخود پرستی،نمائش وخودنمائی، منافقت ودورخی، مرعوبیت ومصلحت پسندی جیسی لعنتوں کا جال پھیلا ہوتا ہے اور ادیب اخلاص واخلاق،وسعت ظرفی ووسیع النظری، راست بازی، انکساری، ایمانداری اور دیانت داری جیسی اعلیٰ اقدار سے یکسر محروم نظر آتا ہے۔

زندگی کی دوسری تعبیر روحانی تعبیر ہے، جو مادی تعبیر کے برعکس اخلاقی بلندی اور روحانی عروج کا عکاس ہوتی ہے،اس لحاظ سے ادیب جو ادیب بعد میں اور انسان پہلے ہے،وہ انسانیت کے ناطے اپنے صالح جذبات اور جمالیاتی عناصر سے معمور ہوتا ہے ،لہٰذا وہ الفاظ وتعبیرات کو جذباتی حسن،اخلاقی صداقت اور شعور وآگہی کے خیر کا مظہر بنا کر ادب کے توسط سے انسانی ہمدردی کے آفاق کو وسیع سے وسیع تر کرتا ہے اور اپنے بابصیرت مخلوق ہونے کا ثبوت دیتا ہے، ایسے ہی صاحبِ بصیرت ادیب کا پیش کردہ ادب تعمیری ادب، اخلاقی ادب یا صالح ادب کہلاتا ہے؛ جو آفاقی اور مثبت قدروں کا امین ہوتا ہے اور جس کی اساس اس راست تصور پر قائم ہوتی ہے کہ حیات وکائنات کا یہ پورا کارخانہ کسی قادر مطلق خالق کی انتہائی منظم اور ٹھوس اسکیم کے تحت معرضِ وجود میں آیا ہے اور ہمیں اپنی تعمیری کدو کاوش یا تخریبی کارناموں کیلئے اس کے آگے ایک دن جواب دہ ہونا پڑے گا،مشہور مغربی دانشور ''اربن''(Urban) اپنی معرکۃ الآراء تصنیف ''زبان اور حقیقت''(Language and Reality) میں اس نتیجہ تک پہنچتا ہے کہ تمام کائنات میں انسان کی وجہِ امتیاز یہ ہے کہ وہ اقدار کا نہ صرف شعور رکھتا ہے، بلکہ انہیں قائم ودائم رکھنے کا بھی اسے بھرپور سلیقہ ہے۔

تعمیری ادب درحقیقت اسلامی ادب ہے، جس میں اسلامی تعلیمات سے عطر کشید کر کے فکر و خیال کو معطر کیا جاتا ہے اور احساس وشعور پر بصیرت کے دریچے کھول کر انسانیت کو حیات تازہ اور آفاقیت سے ہمکنار کیا جاتا ہے، چوں کہ تعمیری ادب کی غایت ومقصدیت صحیح اور صالح اقدار کی افزائش ہوتی ہے، لہٰذا ادیب کی فکر ونظر کا پیمانہ ذہنی ارتفاع، روحانی عظمت اور باطنی بصیرت سے لبریز ہونا چاہیے، تاکہ وہ کم ظرفی وکورنگاہی کے جراثیم سے محفوظ رہ کر روحانی پاکیزگی، فکری بالیدگی، انسانی بھلائی وترقی، ایثار وبہی خواہی کا آئیڈیل اور محبت واخوت، آزادی وامن وآشتی کا پیامبر ہو اور اس کا ادب معنویت کی نئی تہوں کو کھولنے والا، نیا حوصلہ وولولہ عطا کرنے والا، ایمان ویقین سے سرفراز کرنے والا، جذبات کی تطہیر، اقدار کی تشکیل اور اعلی اخلاق کے فروغ کا باعث بن کر مایوسی میں امید کی کرن ثابت ہو۔

اردو زبان اور اس کا تدریجی ارتقا:

''اردو'' ترکی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی لشکر کے ہیں، قدرت کا تخلیقی کرشمہ ہے کہ مختلف اضداد واجناس کے ملاپ سے کسی نئی شئ کا وجود ہوتا ہے، اسی طرح اردو مختلف زبانوں اور بولیوں سے مل کر وجود میں آنے والی ایک نئی زبان ہے؛ گویا یہ مختلف زبانوں اور بولیوں کا لشکر ہے، یا چونکہ اس کی آفرینش وافزائش لشکر کے درمیان ہوئی ہے، اس لیے یہ زبان ''اردو'' بمعنی لشکر کے نام سے جانی جاتی ہے۔

کائنات میں جیسے جیسے حیات کا ارتقا ہوتا رہا، ویسے ویسے انسانی ارتقا کی تاریخ بنتی رہی، زبان کا ارتقا بھی ایک تہذیب کی تاریخ کا زریں باب ہے، انسانی تہذیب میں اس کی بولتی ہوئی زبان حیوان کی گنگ زبان سے اس کو امتیاز دیتی ہے اور اس کے شعور کی واضح علامت ہوتی ہے، انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے دکھ درد، خوشی وغم، خیال، احساس، جذبہ اور فکر وتجربہ کا اظہار چاہتا ہے، جس سے اس کی زندگی میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے ہیں اور اسے زندگی کے بامقصد وبامعنی ہونے کا احساس ہوتا ہے، انسان کی یہ فطرت اور اس کا یہ احساس زبان کا مرہونِ احسان ہے، انسانی معاشرت شروع ہو کر جیسے جیسے ترقی کی راہیں طے کرتی جاتی ہے، ساتھ ساتھ اس کی زبان بھی ارتقائی منزلیں طے کرتی ہوئی انسانی تہذیب کا مستقل ادارہ بن جاتی ہے، ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں: ''انسانی شعور اسے نکھارتا ہے، خیالات وفکر کا نظام اسے روشنی دیتا ہے، زندگی کے مختلف عوامل اور تجربے اسے بناتے سنوارتے ہیں، ہر چھوٹی بڑی، اعلی اور ادنی چیز یا تصور، تجربہ یا احساس، زبان کا لباس پہن کر ''فہم'' کی شکل میں سامنے آجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ زبان نہ کوئی فرد ایجاد کر سکتا ہے اور نہ اسے فنا کیا جا سکتا ہے، مختلف تہذیبی عوامل، رنگا رنگ قدرتی عناصر، مسلسل میل جول اور رسومِ معاشرت گھل مل کر رفتہ رفتہ صدیوں میں جا کر کسی زبان کے خدوخال اجاگر کرتے ہیں، اسی لیے دنیا کی ہر زبان میں لسانی عمل اور ادب کی تخلیق کے درمیان وقت کا ایک طویل فاصلہ ہوتا ہے، بولی صدیوں میں جا کر زبان بنتی، اپنی شکل بناتی اور خدوخال اُجاگر کرتی ہے، لسانی ارتقا کی تاریخ جب ایک ایسی منزل پر پہنچ جاتی ہے جہاں محسوس کرنے والا انسان، سوچنے والا ذہن اور اپنے مافی الضمیر کو دوسروں تک پہنچانے والے افراد اس زبان میں اپنی صلاحیتوں کے اظہار کی سہولت پاتے ہیں تو ادب کی تخلیق اپنا سر نکالتی ہے۔

اردو زبان وادب کے ساتھ بھی دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح یہی عمل ہوا، صدیوں یہ زبان سرجھاڑ منہ پھاڑ گلی کوچوں میں آوارہ اور بازار ہاٹ میں پریشاں حال ماری ماری پھرتی رہی، کبھی اقتدار کی قوت نے اسے دبایا، کبھی اہل نظر نے حقیر جان کر اسے منہ نہ لگایا اور کبھی تہذیبی دھاروں نے اسے مغلوب کر دیا، یہ عوام کی زبان تھی، عوام کے پاس رہی، مسلمان جب برِّصغیر ہندو پاک میں داخل ہوئے تو عربی، فارسی اور ترکی بولتے آئے اور جب ان کا اقتدار قائم ہوا تو فارسی سرکاری زبان ٹھہری، تاریخ شاہد ہے کہ حاکم قومیں اپنی زبان اور اپنا کلچر ساتھ لاتی ہیں اور محکوم قومیں، جن کی تہذیبی وتخلیقی قوتیں مردہ ہو جاتی ہیں اس زبان اور کلچر سے اپنی زندگی میں نئے معنی پیدا کر کے

نئے شعور اور احساس کو جنم دیتی ہیں۔

مسلمانوں کا کلچر ایک فاتح قوم کا کلچر تھا، جس میں زندگی کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹنے کی پوری قوت اور لپک موجود تھی، اس کلچر نے جب ہندوستان کے کلچر کو نئے انداز سکھائے اور یہاں کی بولیوں پر اثر ڈالا تو ان بولیوں میں سے ایک نے جو پہلے سے اپنے اندر جذب وقبول کی بے پناہ صلاحیت رکھتی تھی اور مختلف بولیوں کے مزاج کو اپنے اندر سموئے ہوئے تھی وہ بڑھ کر اس نئے کلچر کو سینے سے لگایا اور تیزی سے ایک مشترک بولی بن کر نمایاں ہونے لگی، دیکھتے ہی دیکھتے اس بولی نے اس کلچر کے ذخیرۂ الفاظ کو اپنا لیا اور اس کے طرزِ احساس اور نظامِ خیال سے ایک نیا رنگ روپ حاصل کر لیا اور اس طرح وقت کے تہذیبی، معاشرتی ولسانی تقاضوں کے سہارے مسلمانوں اور برِ عظیم کے باشندوں کے درمیان مشترک اظہار وابلاغ کا ذریعہ بن گئی، زبان کا بیج جاندار تھا، زمین زرخیز تھی، نئے کلچر کی کھاد نے ایسا اثر کیا کہ تیزی سے کونپلیں پھوٹنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک تناور درخت بن گیا''۔

اردو زبان کی نشوونما، ایک تاریخی جائزہ:

اردو زبان کی نشوونما ایک طویل تاریخ رکھتی ہے، جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بتایا گیا کہ اس زبان کا رشتہ مسلمانوں کے کلچر سے جڑا ہوا ہے، چنانچہ مسلمان جہاں جہاں گئے، یہ زبان وہاں وہاں پہنچی اور علاقائی اثرات کو جذب کر کے اپنی شکل بناتی گئی، اس میں نئے نئے الفاظ اور نئے نئے خیالات سماتے گئے اور اس کے خدوخال کو نکھار اور احساس وشعور کو سلیقہ ملتا گیا، گویا یہ زبان مختلف تدریجی مراحل سے گذر کر نشوونما پائی اور لسانی وتہذیبی امتزاج کے فطری عمل سے پروان چڑھی، ڈاکٹر جمیل جالبی اس کی نشوونما کا تاریخی جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس کا ایک ہیولیٰ سندھ وملتان میں تیار ہوا، پھر یہ لسانی عمل سرحد وپنجاب میں ہوا، جہاں سے تقریباً دوصدی بعد یہ دہلی پہنچا اور وہاں کی زبانوں کو جذب کر کے اور ان میں جذب ہو کر سارے برّصغیر میں پھیل گیا، گجرات میں یہ زبان ''گجری'' کہلائی، دکن میں اسے ''دکنی'' کے نام سے پکارا گیا، کسی نے اسے ''زبان ہندوستاں'' کہا کہ یہ ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی تھی، کسی نے اسے ''ہندی'' یا ''ہندوی'' کہا، کسی نے اسے ''لاہوری'' یا ''دہلوی'' کے نام سے موسوم کیا، اسی حساب سے کسی نے اس کا رشتہ ناتا برج بھاشا سے جوڑا، کسی نے اسے کھڑی بولی سے ملایا، کسی نے اسے ''زبانِ پنجاب'' کہا، کسی نے سندھی سرائیکی کے علاقے کو اس کا مولد بتایا، غرضیکہ مختلف زبانوں سے اس کا یہ تعلق اور مختلف زبانوں کے علاقوں کا اس زبان پر دعویٰ اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے سب سے فیض اٹھا کر اپنے وجود کو انفرادیت بخشی ہے، اسی لیے یہ زبان برّصغیر کی سب زبانوں کی زبان ہے''۔

اردو زبان کی تاریخی کہانی یہ ہے کہ ہندوستان میں آریہ قوم تقریباً ۱۵۰۰ قبل مسیح سے آنا شروع ہوئی اور ۱۰۰۰ء قبل مسیح تک شمالی ہندوستان میں پنجاب سے بنگال تک پھیل گئی، ہندوستان میں پہلے سے مختلف علاقوں میں مختلف مقامی بولیاں رائج تھیں، آریہ قوم جب تک محدود علاقے میں رہی، ان کی زبان اپنی جگہ قائم رہی؛ مگر جیسے جیسے وہ پھیلنے لگی، ان کی زبان میں فرق آتا گیا اور دوسری زبانوں کے میل جول سے تلفظ والفاظ میں ردوبدل ہوتا گیا، یہاں تک کہ ان کی زبان کی مرکزی حیثیت بہت حد تک ختم ہوگئی، پھر ۶۰۰ء قبل مسیح میں مختلف زبان سے ہر جگہ استعمال کئے جانے والے الفاظ کا انتخاب کر کے ایک منظم زبان کی تشکیل کی گئی، جو بعد میں بن سنور کر ''سنسکرت زبان'' کہلائی، شروع میں یہ زبان ترقی کی اور اس کو بڑا عروج حاصل ہوا، مگر رفتہ رفتہ اس میں اتنی زیادہ ادبیت آتی گئی کہ یہ عوام سے جدا ہو کر خواص کی زبان بن کر رہ گئی۔

ہندوستانی عوام کی زبان شروع ہی سے ایک مخلوط زبان تھی، اگرچہ مختلف خطوں میں مختلف مقامی بولیاں بولی جاتی تھیں، تاہم ان میں بہت معمولی فرق ہوتا تھا، ان زبانوں اور بولیوں کو ''پراکرت'' کہا جاتا تھا اور اس پراکرت کی ادبی شکل کا نام ''پالی'' تھا، جسے بدھ مذہب کے ہاتھوں بڑا فروغ حاصل ہوا، مگر اس میں بھی سنسکرت کی طرح رفتہ رفتہ

ادبی پہلو غالب آتا گیا اور عوام اس کے استعمال سے بھی گریز کرنے لگی اور پھر عوامی ضرورت وصلاحیت کے تحت ملی جلی زبان کو ایک خاص رنگ دے کر ایک نئی اور آسان زبان کا استعمال شروع ہوا، جسے اہل زبان وادب نے حقارت سے ''اپ بھرنش'' کا نام رکھ دیا، جس کے معنی بگڑی زبان کے ہیں، مگر چوں کہ اس زبان میں انسانی زندگی اور تہذیب وتمدن کے آثار پائے جاتے تھے، لہٰذا دھیرے دھیرے مہذب اور تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس کی طرف مائل ہونا شروع ہوا اور راجپوتوں کے سیاسی زمانۂ اقتدار میں یہ زبان اس قدر ترقی کرگئی کہ ۸۰۰ءسے لے کر ۱۰۰۰ء تک تمام شمالی ہندوستان کی ادبی زبان بن گئی اور آج کی موجودہ اردو زبان اسی ''اپ بھرنش'' زبان کی کوکھ سے جنم لی ہے۔

۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے سندھ وملتان کو فتح کیا، اس وقت وہاں کئی زبانوں سے ملی جلی ایک کھچڑی زبان بولی جاتی تھی، محمد بن قاسم کے لشکر میں عربی وفارسی زبان بولنے والے لوگ شامل تھے، لہٰذا وہاں عربی وفارسی کے الفاظ استعمال ہونے لگے، محمد بن قاسم کے حملے کے تقریباً تین سو سال بعد ۱۰۰۱ء میں ہندوستان پر محمود غزنوی کا حملہ ہوا اور اس سے تقریباً پانچ سو سال بعد بابر کا حملہ ہوا اور اس طرح ہندوستانی تہذیب میں اسلامی تہذیب کی شمولیت ہونے لگی اور مختلف تہذیبوں کے ملاپ سے ہندوستانی زبان کے ساتھ بیرونی زبان کے الفاظ کی رد وبدل ہونا شروع ہوئی، عربی وفارسی کے الفاظ ہندوستانی زبانوں میں اور ہندوستانی زبانوں کے الفاظ عربی وفارسی زبان میں بڑی تیزی سے شامل ہونے لگے اور چوں کہ مشترک کلچر کیلئے رابطے کی ایک مشترک زبان بنیادی شرط ہوتی ہے اور اردو زبان میں اس کی پوری صلاحیت موجود تھی، لہٰذا جب اس کا وجود ہوا تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جانے لگا اور اس میں عربی وفارسی کے الفاظ کثرت سے داخل ہونے لگے جس سے اس نئی زبان کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا، ڈاکٹر جمیل جالبی کہتے ہیں:

''اور جب اس پر ''عربی ایرانی'' تہذیب اور زبانوں نے اپنا سایہ ڈالا، نئے لہجے اور تلفظ اس میں شامل ہوئے، نئی آوازوں نے اس زبان کے سوتے ہوئے تاروں کو چھیڑا تو اس کے اندر ایک ایسا عمل امتزاج شروع ہوا جس نے اس میں سڈول پن پیدا کر کے نرمی، شائستگی اور قوتِ اظہار کو بڑھا دیا، رفتہ رفتہ یہ زبان نئے لفظوں کی مدد سے اپنا رنگ روپ اور چولا بدلنے لگی، بے ڈول، اَن گھڑ ثقیل اور قدیم آوازوں والے الفاظ خود بخود خارج ہوتے گئے اور نئی تہذیبی ومعاشرتی ضرورتوں کو پورا کرنے والے الفاظ داخل ہوتے گئے''۔

۱۲۹۷ء میں علاؤالدین خلجی نے گجرات فتح کیا، جو تقریباً سو سال تک دہلی کی سلطنت میں شامل رہا، اس کے بعد ۱۳۱۰ھ میں دکن اور مالوہ پر فوج کشی کرا کر انہیں بھی فتح کرلیا اور پھر ان مفتوحہ علاقوں کے انتظام وانصرام کو بہتر ومؤثر بنانے کے لیے گجرات سے لے کر دکن تک مختلف انتظامی حلقے بنادیئے اور ہر حلقہ پر ایک ترک افسر مقرر کردیا، جس کے نتیجے میں بے شمار ترک خاندان اپنے متوسلین کے ساتھ گجرات، دکن اور مالوہ کے طول وعرض میں آباد ہوگئے جنہوں نے معاملاتِ زندگی طے کرتے ہوئے سیاسی ومعاشرتی تقاضوں کے تحت اپنے ساتھ لائی ہوئی زبان میں ان علاقوں کی مقامی زبانوں اور عربی، فارسی وترکی کے الفاظ شامل کرکے اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنا شروع کیا اور اس طرح نئے ماحول میں اس زبان کو قابل قبول بنادیا۔

اردو زبان عوام کی آغوش میں آنکھیں کھولیں، عوام کے ہاتھوں پروان چڑھی اور ہندوستان کی مختلف مروجہ زبانوں کو سمیٹ کر اپنے لیے ایک نیا خاکہ تیار کرتی رہی اور اپنی خصوصیت وانفرادیت کی وجہ سے برابر ترقی کی طرف بڑھتی رہی، یہاں تک کہ جب بابر ہندوستان آیا تو یہ اپنی ایک خاص امتیازی صورت اختیار کرچکی تھی، اسی طرح یہ اپنے امتیاز وانفرادیت کے ساتھ آگے بڑھتی رہی اور شاہ جہاں کے دورِ اقتدار میں اس کا عروج اتنا ہوا اور اس کا زور اتنا بڑھا کہ شاہ جہاں کی نسبت سے اس کی ایک پہچان بن گئی اور اسے ''شاہ جہانی اردو'' کہا جانے لگا اور سب سے زیادہ اورنگ زیب کے زمانے میں اس زبان کو اس کے شایانِ شان اہمیت دی گئی اور اسے شاہی دربار میں ایک مقام

حاصل ہوا، جس کی وجہ سے اس کو ”اردوئے شاہی“ کے نام سے بھی یاد کیا جانے لگا۔

ہندوستان کی سرزمین پر مسلم بادشاہوں کی آمد اور مسلم اقوام کے پھیلاؤ سے یہاں زندگی کی گہما گہمی اور تہذیب کی ہماہمی کا آغاز ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اردو زبان وادب کی تشکیل وترویج کا لسانی عمل شروع ہوتا ہے، جس کی ابتدا سندھ وملتان سے ہوتی ہے اور پھر یہ پھیل کر سرحد، پنجاب، دہلی اور دکن تک پہنچ جاتا ہے اور قطب الدین ایبک سے ابراہیم لودھی کے زمانے تک اس کے اثرات اتنے واضح ہوجاتے ہیں کہ یہ زبان ایک نئے سانچے میں ڈھل کر اپنا ایک مستقل رنگ روپ ڈھار لیتی ہے اور ایک مشترک بین الاقوامی زبان کی حیثیت سے اپنا آپ منوالیتی ہے، اردو زبان وادب کے تاریخ نویس شمس اللہ قادری کہتے ہیں: ”سلطان محمد تغلق کے زمانے میں یہ جدید زبان عام طور پر بولی جاتی تھی اور وہ مسلمان جو ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے یا جنہوں نے عرصۂ دراز سے یہاں بودوباش اختیار کرلی تھی، اسی زبان میں بات چیت کرتے تھے“۔

گیارھویں صدی عیسوی سے لے کر سولہویں صدی عیسوی تک ہماری اردو زبان مسلمانوں کے ساتھ ساتھ برّصغیر کے دور دراز گوشوں تک پہنچ کر سارے علاقوں کے لیے ایک واحد مشترک بین الاقوامی زبان بن چکی تھی، حافظ محمود شیرانی فرماتے ہیں: ”مسلمان اقوام نے ہندوستان میں اپنے لیے ایک زبان مخصوص کرلی ہے اور جوں جوں ان کے مقبوضات فتوحات کے ذریعے سے وسیع تر ہوتے جاتے ہیں، یہ زبان بھی ان کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں پھیلتی جاتی ہے“۔

بزرگانِ دین اور صوفیائے کرام کے تعاون سے بھی اس زبان کو بڑا فروغ ملا، کیونکہ ان بزرگوں نے دین واخلاق کی تبلیغ کے لیے اس زبان کو خوب خوب استعمال فرمایا، جس سے اس زبان کو سند اعتبار حاصل ہوئی اور اس کی عظمت ورفعت کو چار چاند لگ گئے۔ ❁

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی
اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو)
۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو)
۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ)
۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی)
۵- رہنمائے سلوک وطریقت ۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا
۷- الامامۃ فی الصلاۃ ومسائلہا واحکامہا ۸- التدخین بین الشرع والطب
۹- حیات عبدالرشید ۲۰۰/روپئے ۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ
۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ۱۲- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ
۱۳- تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۱۴- تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید
۱۶- مقالات ومشاہدات ۱۷- مکتوبات اکابر
۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول
۱۹- افکار دل (۳۰/تقریروں کا مجموعہ) ۲۰- مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ
۲۱- تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ
۲۲- سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳- لڑکیوں کی اصلاح وتربیت
۲۴- ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ
۲۵- میری والدہ مرحومہ (نقوش وتأثرات)
۲۶- قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت
۲۷- تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری
۲۸- نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالا ۲۹- تصوف اور اکابر دیوبند
۳۰- امامت کے احکام ومسائل ۳۱- اللہ ورسول کی محبت
۳۲- فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات ۳۳- عقائد اور ارکان اسلام
۳۴- ماں باپ اور اولاد کے حقوق ۳۵- میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام
۳۶- القادیانیة ثورة على النبوة المحمدية ۳۷- سيرة النبی الأكرم
۳۸- درد دل ۳۹- ساز دل ۴۰- حیات شیخ الحدیث
۴۱- تذکرہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوری ۴۲- بزرگان رائے پور
۴۳- Rules of Raising Funds ۴۴- Beliefs and Pillars of Islam
۴۵- The Laws Pertaining to Imamat
۴۶- The Rights of Perents and children
۴۷- Guidelines for Sulook and Tareeqat
۴۸- Tasawwuf and tha Elders of Deoband
۴۹- Life Sketch of Hadhrat Thanwi
۵۰- A Biogrophy of the Noblest Nabi
۵۱- My Sheikh and Spiritual Guide
۵۲- Importance of Hijab in Islam

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

Mob: 09719831058 - 09719639955

تاریخ کے جھروکے

ابونصر فارابی

محمد سراج الدین (بنگلور)

ابونصر محمد بن طرخان ترکستان کے ایک شہر فاراب میں ۸۷۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے، چونکہ وہ فاراب شہر میں پیدا ہوئے تھے، اس لئے وہ ابونصر فارابی یا صرف فارابی کے مختصر نام سے مشرق ومغرب میں مشہور ہیں، وہ نسلاً ترک تھے، اس لئے انہیں ترکوں کا پہلا فلسفی کہتے ہیں، ان کا آبائی پیشہ سپہ گری تھا اور ان کے باپ فوج کے سپہ سالار کے عہدہ پر فائز تھے، لیکن فارابی خاندانی پیشہ کو چھوڑ کر علوم وفنون کی طرف متوجہ ہوئے، وہ ابتداء ہی میں کئی زبانوں کے ماہر ہوگئے، کہا جاتا ہے کہ وہ ستر زبانیں بول سکتے تھے، بغداد پہنچ کر انہوں نے عربی زبان میں بھی مہارت حاصل کر لی۔

خواجہ جمیل احمد پاکستانی اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ فارابی صرف فلسفہ، منطق، سیاسیات، ساحرانہ، سائنس اور سوشیالوجی ہی میں مہارت نہیں رکھتے تھے بلکہ میتھ میٹکس اور طبی علوم میں بھی مہارت رکھتے تھے، انہوں نے خود کہا ہے کہ وہ ستر زبانیں بولنا جانتے تھے؛ لیکن یہ بات بغیر کسی شک کے کہی جاسکتی ہے کہ وہ ترکی، فارسی، یونانی اور عبرانی زبانوں کے ماہر تھے، وہ ہمہ گیر جینیس اور قاموس نگار، اعلی درجہ کے ریاضی داں اور ماہر طب ساحرانہ سائنسدان اور ایک ممتاز موسیقار تھے، انہوں نے تقریباً سو سے زائد عربی میں مختلف مضامین پر تصانیف لکھیں، ان میں سے صرف پندرہ یا بیس تصانیف ہی موجود ہیں، قفطی اور ابن صیعبیہ کی دی ہوئی فہرست کے مطابق اس میں ۱۷ر تفاسیر ۱۵ر مقالے اور مختلف شرحیں موضوعات پر ۶۰ رکتابیں پائی جاتی ہیں۔

حکمائے اسلام کے مصنف لکھتے ہیں کہ فارابی علوم طبیہ کے بھی ماہر تھے لیکن انہوں نے عملاً کبھی طبابت نہیں کی، اسی طرح وہ علم موسیقی کے بھی بہت بڑے ماہر تھے اور ایک ایسا باجہ ایجاد کیا تھا جس سے محرک جذبات نغمے سنائی دیتے تھے۔

سیف الدولہ جو ملک شام کے حکمراں تھے علم وادب کے بڑے قدرداں تھے، ان کی مجلس میں ہر علم وفن کے فضلا کا مجمع رہتا تھا، ایک ایسی ہی مجلس میں سیف الدولہ مسند پر بیٹھے ہوئے تھے کہ فارابی مجلس میں داخل ہوئے اور ایک طرف کھڑے ہوگئے، سیف الدولہ ان سے مخاطب ہوکر کہا کہ ''بیٹھ جاؤ'' فارابی نے پوچھا کہ ''کہاں؟'' جہاں میں یا جہاں تم ہو؟'' سیف الدولہ نے کہا کہ ''جہاں تم ہو''۔

یہ سنتے ہی فارابی صفوں کو چیرتے ہوئے سیف الدولہ کی مسند تک پہنچے اور ان کو وہاں سے ہٹانا چاہا، سیف الدولہ نے اپنے غلاموں سے ایک خاص زبان میں جس کو بہت کم لوگ سمجھ سکتے تھے، راز کی باتیں کہتا تھا، کہا کہ ''اس بوڑھے نے بے ادبی کی ہے''، میں اس سے چند سوالات کرتا ہوں اگر وہ ان کا جواب نہ دے سکا تو تم لوگ اس کو بیوقوف (یعنی سختی سے پیش آنا) فارابی نے اسی زبان میں کہا کہ ''اے امیر! صبر کرو، کیونکہ تمام چیزیں ان کے نتائج پر موقوف ہیں، سیف الدولہ نے تعجب سے پوچھا ''تم اس زبان کو جانتے ہو''۔

فارابی نے جواب دیا: ہاں! میں ستر زبانیں جانتا ہوں، یہ سن کر سیف الدولہ کے دل میں ان کی وقعت پیدا ہوگئی، اور اس کے بعد فارابی نے علماء سے ہر فن میں گفتگو شروع کی اور ان پر اس قدر چھا گئے کہ سب کے سب خاموش ہوگئے اور صرف فارابی بولتے رہے، اور لوگ ان کی گفتگو سنتے رہے۔

اوپر کے واقعہ کی تفصیل مشہور مورخ علامہ ابن خلکان نے بیان کی ہے، سیف الدولہ ابونصر فارابی کی حسن سیرت اور ہمہ گیر علمیت سے بہت ہی متاثر تھے، وہ ان کی بہت عزت کرتے تھے، ان کی آخری عمر

تک ان سے جڑے ہوئے تھے، فارابی ایک صوفی تھے، سیف الدولہ چاہتے تھے کہ فارابی آرام سے زندگی گزاریں؛ لیکن انہوں نے روزانہ چاندی کے چار درہم سے زیادہ لینے سے انکار کر دیا، یہ چار درہم وہ اپنی ضرورت پر خرچ کرتے تھے۔

فارابی نے دمشق اور مصر کا سفر کیا اور آخر میں پھر دمشق میں آ کر مقیم ہو گئے، وہ گوشہ عافیت کو زیادہ پسند کرتے تھے، اس لئے وہ امراء سے دور رہے اور مفلسی کی زندگی گزار رہے تھے، کہتے ہیں کہ دمشق میں ایک باغ کی چوکیداری کا کام ملا، تو انہوں نے بخوشی قبول کر لیا اور اپنے جھونپڑے میں رہنے لگے، غربت اتنی تھی کہ چراغ جلانے کے لئے تیل کے اخراجات بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے، باغ کے دوسرے مالیوں کے جونپڑوں میں بیٹھ کر پڑھا اور لکھا کرتے تھے، یہاں تکلیف تو بہت تھی لیکن انہوں نے صبر کا دامن کبھی نہ چھوڑا، سکون قلب کے ساتھ وہ ہمیشہ مطالعہ اور تصنیف وتالیف میں لگے رہتے تھے، رفتہ رفتہ لوگ وہاں آنے جانے لگے اور ان کے علم وحکمت کا چرچا ہونے لگا، اب انہوں نے درس وتدریس کا کام بھی شروع کر دیا، اب لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ چوکیدار نہیں ہے بلکہ اصل میں حکیم ابونصر فارابی ہے، اہل علم نے انہیں آنکھوں پر بٹھایا، اس طرح یہاں ان کے سینکڑوں شاگرد پیدا ہو گئے۔

ڈاکٹر قادرلون لکھتے ہیں کہ فارابی نے ارسطو کی طبیعیات کا مطالعہ چالیس مرتبہ کیا تھا اور ارسطو کی ایک اور تصنیف (De Anima) ''ڈی انیما'' کو انہوں نے دوسو مرتبہ پڑھا تھا، انہوں نے احصاء العلوم کے نام سے ایک انسائیکلو پیڈیا لکھی ہے، جس میں طبیعات معاشیات، سیاسیات، لسانیات، منطق، ریاضی، کیمیا کے علوم کے متعلق معلومات کا ذخیرہ جمع کر دیا ہے، فلسفہ میں وہ ارسطو کے پیرو تھے اور ان کی کتابوں کی تشریح کی ہے، انہوں نے بغداد میں تقریباً ۲۰ رسال سے زیادہ درس وتدریس میں مشغول رہے، جس کے سبب انہیں مسلمانوں کے سب سے بڑے مفکر کہا گیا اور فلسفہ میں ارسطو کے بعد سب سے زیادہ مستند فلسفی مانے گئے۔

ڈاکٹر قادرلون اپنی تصنیف میں لکھتے ہیں کہ وہ (فارابی) دنیا کے دوسرے استاد ''معلم ثانی'' کے لقب سے مشہور ہوئے، معلم اول کا لقب ''ارسطو'' کے لئے مخصوص تھا، پروفیسر یم سعید شیخ اپنی تصنیف ''اسٹڈیس ان مسلم فلاسفی'' (Studies in Muslim Philosphy) میں رقم طراز ہیں کہ چونکہ وہ ارسطو کی منطق کے شرح نگار تھے، اس لئے وہ ''معلم ثانی'' کہلائے جاتے تھے، یعنی دوسرے ارسطو میکڈ ونلڈ کہتے ہیں کہ ''الفارابی'' مسلم فلسفہ کی عمارت کے پایہ کے مصداق ہیں۔

ابن خلکان کہتے ہیں کہ ''کوئی مسلم مفکر، فارابی کے فلسفیانہ معلومات کے درجہ تک نہیں پہنچ سکا، انکا کام فلاطونیت، ارسطا طالیت، اور صوفیت کو اختراعی طور پر ہم آہنگ کرنا تھا۔

پروفیسر سعید شیخ لکھتے ہیں کہ ''الفارابی'' کے سیاسی نظریات میں ہمیں سپنسر روسو کے نظریات کے اشارات ملتے ہیں، الفارابی کا طریقہ سپائنوز کے استخراجی طریقہ کار سے ملتا جلتا ہے۔

ارسطو اور افلاطون کے فلسفہ کا ایک جز سیاست بھی ہے، فارابی نے بھی سیاسیات پر دو رسالے لکھے ہیں، وہ ہیں:

(۱) آراء اہل المدینۃ الفاضلہ (مثالی شہر کے لوگوں کی آرائیں)

(۲) سیاست المدنیۃ میں انہوں نے ایک مثالی سماج کا تصور دیا ہے، وہ لوگوں سے کہتے ہیں کہ سماج کی بنیاد حسد، طاقت اور انفرادیت پر نہیں رکھنا چاہئے بلکہ عقل، ایثار اور محبت پر رکھنی چاہئے اور آگے کہتے ہیں کہ بہترین حکومت وہ ہے جو دین کی بنیاد پر قائم ہو۔

فارابی نے افلاطون کی جمہور اور ارسطو کی سیاست سے متأثر ہو کر شاید السیات المدنیہ (سیاسی معاشیات) کی تصنیف کی ہو۔

اس مثالی شہر (ریاست) میں سماج کا مقصد شہریوں کی خوشحالی ہونی چاہئے اور اس مثالی ریاست کی حکمراں کے لئے اخلاقی اقدار کا مالک ہونا چاہئے، فارابی نے موسیقی پر بھی طبع آزمائی کی ہے ان کی تصنیف کتاب الموسیقی الکبیر مشرقی موسیقی پر ایک اعلیٰ تصنیف ہے اور وہ موسیقی کے ماہر مانے جاتے ہیں۔

جمیل احمد پاکستانی اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ ''فارابی ایک عظیم

موسیقی کا نظریہ پیش کرنے والے تھے، جس کو مسلم دنیا نے پیش کیا، فارابی نے موسیقی پر کئی شاہکار تصانیف چھوڑے ہیں، ان کی کتاب موسیقی الکبیر اسٹائکس ان میوزک اور آن دی کلاسی فیکیشن آف رہتمس بہت ہی مشہور ہیں۔

مندرجہ بالا کتابوں کے علاوہ فارابی نے اپنے ضخیم تصانیف دی کلاسی فیکشن آف سائنس اور دی آرجن آف سائنس میں موسیقی پر عنوانات باندھے ہیں، جارج سارٹن ''کتاب موسیقی الکبیر'' کے متعلق کہتے ہیں کہ ''یہ کتاب موسیقی الکبیر، موسیقی کے نظریہ پر ایک بہت ہی اعلیٰ مشرقی مقالہ ہے''، لیگسی آف اسلام لکھتے ہیں کہ فارابی سترہویں صدی عیسوی تک بھی علماء کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے، جیسا کہ ہمیں جارج ریش اور کیمر اریس ۱۶۳۸ء کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے، موسیقی کے آلات جیسے ''رباب اور قانون'' کے موجد فارابی مانے جاتے ہیں۔

فارابی ایک اچھے موسیقار تھے، موسیقی سے جڑا ہوا ایک واقعہ بہت ہی دلچسپ ہے، وہ یوں ہے کہ سیف الدولہ حکمراں شام کے دربار میں جب فارابی داخل ہوتے ہیں تو ان دونوں کے درمیان بحث ہوتی ہے اور فارابی بتلاتے ہیں کہ وہ ستر زبانیں جانتے ہیں جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے، اس کے بعد سیف الدولہ فارابی سے پوچھتے ہیں۔

آپ کچھ کھانا چاہتے ہیں؟ فارابی نے کہا نہیں، پھر ان سے پوچھا آپ کچھ پینا چاہتے ہیں؟ فارابی نے اس سے بھی انکار کیا، پھر اس نے پوچھا آپ کچھ سننا چاہتے ہیں؟ فارابی نے کہا کہ ''ہاں'' اب سیف الدولہ نے اشارہ کیا، محفل سماع گرم ہوئی، گانے والیاں فن موسیقی کی ماہر تھیں، مختلف قسم کے ساز لیکر حاضر ہوئیں اور ان کو بجانا شروع کیا، فارابی خاموشی سے سنتے رہے اور پھر ان میں فنی غلطیاں نکالیں، اس پر سیف الدولہ نے پوچھا کیا آپ اس فن سے بھی واقف ہیں؟، فارابی نے کہا جی ہاں!'' دلچسپی رکھتا ہوں، سیف الدولہ نے کہا ''تو کچھ سنایئے؟'' فارابی اٹھے اور اپنی کمر سے ایک تھیلی نکالی اور کھول کر چند لکڑیاں نکالیں اور ان کو جوڑ کر بجانا شروع کیا، اس سے تمام حاضرین مجلس ہنس پڑے اور پھر لگا تار ہنستے رہے، پھر فارابی نے سر بدل کر بجایا تو محفل پر اداسی چھا گئی اور سب رونے لگے اور پھر سر بدل کر بجایا تو سب کے سب سو گئے، یہاں تک کہ دربان بھی سو گیا، اب فارابی سب کو سوتا چھوڑ کر چلے گئے۔

فارابی ایک اعلیٰ فلسفی تھے، فارابی کے بعد آنے والے مصنّفین اور فلسفیوں پر فارابی کا اثر بہت ہی زیادہ تھا، یہ اسلام کے اولین قاموس نگار تھے جن کے سر اسلامی منطق کے نشو ونما کا سہرا بندھا ہوا ہے، عیسائی مدارس کے عظیم معلّمین اور فلسفی جیسے البرٹ اعظم اور سینٹ تھامس اکیوناسس اپنے فلسفی سسٹم کی ترقی میں فارابی کی ممونیت تسلیم کرتے ہیں، بعض اوقات اپنی تصانیف میں انہیں کے الفاظ استعمال کرتے ہیں، سیاسی نظریات میں ہمیں سپنسر اور روسو کے نظریات کے اشارات ملتے ہیں، فارابی کا کہنا ہے کہ علم صرف ذہنی کوشش سے ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ ایک اعلیٰ روح سے انسانوں میں بھی منتقل ہوتا ہے، ان کا کہنا ہے کہ انسان کی زندگی کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ علم حاصل کرے، مشرقی علماء و فلسفی جیسے ابن سینا، ابن رشد، ابن خلکان، فخر الدین رازی، ابن الہیثم، ابن مسکویہ، جلال الدین رومی اور غزالی کے تصانیف میں فارابی کے فلسفہ کے اثرات پائے جاتے ہیں۔

فارابی حکمائے قدیم مثلاً ارسطو اور افلاطون کی طرح زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے، وہ بہت ہی قناعت پسند تھے، وضع لباس، مکان اور پیشہ سے بالکل بے نیاز اور بے پرواہ تھے، سیف الدولہ کے دربار میں وہ کافی فائدہ اٹھا سکتے تھے؛ لیکن صرف چار درہم روزنہ پر اپنی زندگی بسر کرتے تھے، وہ صوفی تھے، ۸۰؍سال کی عمر میں ۹۵۰ عیسوی میں دمشق میں وفات پائی، اور سیف الدولہ نے صوفیوں کا لباس پہن کر ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔

فارابی ایک عظیم فلسفی اور سائنسداں تھے، وہ علم اخلاق کے موجد اور علم نفسیات کے ماہر بھی تھے، ان کے علم فلسفہ کی بنیاد پر بجا طور پر انہیں دنیا کا معلم ثانی کہا جاتا ہے۔

احساسات

مرسی تو زندہ، تیرا پیغام بھی زندہ

مولانا فتح محمد ندوی، سہارنپور

کہیں خارا شگافی کی، کہیں آئینہ سازی کی
کہ تو میداں کا غازی بھی اور مسجد کا نمازی بھی

۱۷ر جون ۲۰۱۹ء کا دن پورے عالم اسلام کیلئے غموں سے بھرا ہوا تھا جیسے ہی یہ اندوہناک خبر کانوں تک پہنچی کہ مصر کے بہادر اور جانباز سابق صدر حافظ محمد مرسی شکست خوردہ مصر کے صدر السیسی کی نام نہاد عدالت میں اپنا آخری مجاہدانہ پیغام سناتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوگئے، اس خبر سے ہر جگہ صف ماتم بچھ گئی، اپنے اس مجاہد کے فراق میں پوری امت جس طرح اشکبار ہوئی اور اس غم کو اپنے گھر کا ایک حادثہ سمجھا اور ایک عظیم حادثہ کی طرح اس کو محسوس بھی کیا، اس سے اس بات کا اندازہ تو ہوگیا کہ محمد مرسی مصر ہی کے صدر نہیں تھے؛ بلکہ پوری امت کے پیشوا اور قائد تھے، ان کا تعلق دنیا کے تمام مسلمانوں کے گھرانوں سے یکساں تھا؛ بلکہ گھروں میں بھی ہر ایک فرد سے الگ الگ تھا، اس سے بھی بڑھ کر مرسی کی شہادت پر فارسی کے اس شعر سے مزید خراج عقیدت پیش کیا جاسکتا ہے: ؎

زیں ماتم آر سپہر بقانون گریس تے
از چشم اختر ان ہمہ شب خون گریس تے

یہ ایک ایسا ماتم ہے کہ اگر آسمان بھی قاعدے سے رونا چاہے تو تاروں کی آنکھوں سے تمام رات خون کے آنسوؤں سے روئے، واقعہ بھی یہی ہے کہ مرسی کی شہادت سے پوری امت ایک نہ ختم ہونے والے صدمے میں داخل ہوگئی، دراصل جو لوگ نسل انسانی کی رہبری اور اس کے مستقبل کی بہتری کے لئے تاریخ کے دھارے کو بدلنا چاہتے ہیں تو انہیں سفینوں سے بھی ٹکرانا پڑتا ہے اور آگ کے بہت سے دریا بھی عبور کرنے پڑتے ہیں؛ لیکن پھر ان کا استقبال بھی قوم اپنی پلکوں پر بٹھا کر کرتی ہے اور جس جگہ بھی وہ جاتے ہیں وہی میخانہ بن جاتی ہے، اسی طرح ان کے کسی بھی حادثہ کو مشرق سے لیکر مغرب تک شمال سے جنوب تک ایسے ہی محسوس کیا جاتا ہے جیسے محمد مرسی کی شہادت کو پوری امت نے اجتماعی طور محسوس کیا، بقول ماہر القادری: ؎

یقیں کی آتشیں خاموش کو بھڑکا دیا تونے
کہ مصری نوجوانوں کا لہو گرما دیا تونے

ویسے تاریخ میں ایسا پہلی مرتبہ نہیں ہوا کہ جب محمد مرسی کا ماتم کرکے ہمارا سینہ زخموں سے چور ہوگیا ہو؛ بلکہ ماضی میں جو لعل ہم سے چھینے گئے ان کا ماتم اس قدر حساس تھا کہ ہمارے جسم کی نس نس میں ان کی چبھن آج تک باقی ہے، ان فاتحین کے ذکر سے آج بھی آنکھیں آبدیدہ ہوجاتی ہیں، ہم حضرت امام حسین کی شہادت کا غم نہیں بھولے، فاتح سندھ محمد بن قاسم کی شہادت کا زخم ابھی تازہ ہے، فاتح چین قتیبہ بن مسلم، فاتح اندلس طارق بن زیاد، فاتح شمالی افریقہ موسیٰ بن نصیر وغیرہ کی شہادتوں کے غموں سے آج تک ابھر نہیں پائے، افسوس ان کی شہادت پر نہیں بلکہ افسوس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ تمام مرد آہن وہ ہیں جن کو اپنوں نے ہم سے چھینا ہے، ہماری تاریخ کا یہ سب سے تاریک باب ہے کہ ہمیں ہمیشہ اپنوں ہی نے زیادہ غم دیئے اور حد یہ ہے کہ سلسلہ ابھی جاری وساری ہے۔

خیر بہ شمول محمد مرسی مرحوم کے اس فہرست میں جتنے بھی لوگ ہیں ان سب نے اپنی جانوں کا نذرانہ اسلام کی عظمت اور بالادستی کے لئے پیش کیا تاریخ شاہد ہے کہ ان فاتحین نے کہیں اور کسی موقع پر دشمن کو اپنی پیٹھ نہیں دکھائی، جھکے نہیں، دین پر سودا نہیں کیا، موت کے آخری وقت تک جسم میں تھرتھراہٹ اور زبان میں بندش پیدا نہیں ہوئی، وجہ صاف تھی کہ ان کا مرنا اور جینا خالص دین کی بقا اور استحکام کیلئے تھا اپنی کوئی غرض ان کے مشن میں شامل نہیں تھی، اس مذکورہ فہرست کے عظیم سپاہی شہید محمد مرسی

چاہتے تو جیل سے رہا ہو سکتے تھے، صرف سودے کی ضرورت تھی، حالانکہ ان کو سودے بازی کی پیش رفت بھی ہوئی؛ لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنے آخری وقت تک اپنے پیش رو فاتحین اسلام کے کارناموں میں اپنا خون دیکر ان کی شان اور عظمت میں مزید اضافہ کیا۔

حق اور باطل، خیر اور شر کے درمیان ہمیشہ سے معرکہ آرائی رہی ہے اور قیامت تک رہے گی، لیکن اس کشمکش میں اسلام کے فاتحین میں وہی لوگ شامل ہوں گے جن کے سینوں میں اسلام کی چنگاری پوری آب و تاب کے ساتھ موجود ہے، ان کا جینا صرف اور صرف دین کی بقا اور اس کی ترقی کیلئے ہے اور اس معاملے میں وہ بے حد حساس ہوتے ہیں بلکہ اس پر جان کی بازی لگانے میں بھی کوئی عار اور خوف درمیان میں حائل نہیں ہونے دیتے، اسلام کے جانبازوں کی ہزاروں مثالیں اس پر گواہ ہیں اور آخر میں محمد مرسی نے اپنی قلندرانہ مزاج سے یہ ثابت کر دیا کہ عاشق جان دیتے ہیں لیکن جھکتے نہیں، یقیناً محمد مرسی کی یہ جرأت دنیا اور خاص طور سے مصر کی تاریخ میں علامت کے طور ہمیشہ باقی رہے گی۔

ظلم کی ایک تاریخ ہے اور ظالموں کی بھی ایک لمبی فہرست ہے لیکن یہ بھی یاد رہے کہ اسلام پر مرمٹنے والوں کی بھی ایک لمبی داستان ہے اور قیامت تک اس داستان میں مجاہدین اسلام اپنے کارناموں سے اس کے تسلسل میں اضافہ کرتے رہیں گے، مصر کے ظالم باشاہ نے محمد مرسی کی جان لے لی؛ لیکن کیا اسی مصر میں فرعون نے کل مصر کے ہزاروں بچوں کو قتل کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیدا ہونے سے روک لیا تھا، ہرگز نہیں، موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو کر رہے اور فرعون ہی کے گھر میں ان کی پرورش ہوئی اور پھر موسیٰ علیہ السلام ہی نے ان کو کیفر کردار تک پہنچایا، السیسی اس واقعہ کو یاد کریں کہ آپ کا رول بھی کسی فرعون سے کم نہیں، آپ کے ظلم کی بھی داستان طویل ہو چکی ہے، بلکہ تمام حدوں کو پھلانگ گئی، لاکھوں مصری آپ کے ظلم کا شکار ہو چکے ہیں، کیا آپ اس گمان میں ہیں کہ مصر کا دریائے قلزم آپ سے انتقام نہیں لے گا اور ہزاروں بے گناہوں کی سزا نہیں دے گا، یاد رکھئے وہ یقیناً انتقام لے گا، ظلم کو بقا اور ثبات نہیں، اس نے فرعون سے انتقام لیا، آپ سے وہ ضرور انتقام لے گا اور آپ کے ظلم کی یہ تاریک شب یقیناً ختم ہو کر رہے گی، پھر آپ کا قصہ تمام ہو کر آسمان سے محمد مرسی کی شکل میں کوئی ستارہ چمکے گا۔

مبارک ہے وہ سرزمین، مبارک ہے وہ شہر جس کے سینے پر محمد مرسی کا جسد خاکی رکھا گیا، مرسی کے اہل وعیال کو بھی سلام! محمد مرسی مرحوم ایک مرتبہ پھر تیری جانبازی کو آفریں، تو نے حق پسندوں کی عزت اور آبروں میں اپنی شہادت دیکر چار چاند لگائے، بقول مولانا مودودی ''تیری شہادت آخری شہادت نہیں'' تیرے بعد بھی یہ زمین شہیدوں کے خون سے سرسبز و شاداب ہوگی، اسلام کی آبیاری کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل سے شروع ہوا تھا، درمیان میں کتنے انبیاء اور رسول حضرات صحابہ، علمائے کرام، اولیائے عظام اپنا خون دیکر اسلام کی آبیاری اور بقا کا ذریعہ ثابت ہوئے، قیامت تک یہ سلسلہ یونہی چلتا رہے گا، چراغ سے چراغ جلتے رہیں گے اور اسلام کا یہ شجر ہائے سایہ دار برگ و بار لاتا رہے گا، شہید مرسی تو خوش قسمت ہے کہ تو نے مصر کی مقدس سرزمین کو اپنا خون دیکر اس کی عظمت اور پاکیزگی میں اضافہ کیا بقول شاعر: ؎

بارش خون شہداں سے وہ آئے گی بہار
ساری دھرتی ہمیں گل رنگ دکھائی دے گی

جی چاہتا ہے کہ اہل مصر کو فاتح مصر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا وہ جملہ یاد دلاؤں جس میں اہل مصر کو آپ نے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا "عبید لمن غلب" (کہ تم طاقت کے پجاری ہو) تمہارا قول اور فعل آج بھی حضرت عمرو بن عاصؓ کے اس قول کو سچ ثابت کر رہا ہے، تمہاری یہ روش آخر کب بدلے گی کیا تم ہمیشہ ظالم حکمرانوں کی پشت پناہی کرتے رہو گے، حالانکہ قرآن کریم کہتا ہے: "ولا ترکنو إلى الذين ظلموا فتمسكم النار" جولوگ ظالم ہیں ان کی طرف مائل نہ ہونا نہیں تو تمہیں (دوزخ کی) آگ آلپٹے گی۔ (سورہ ہود آیت ۱۱۳)

❀❀❀

فکروعمل

قبر میں پیش آنے والی باتیں

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک یہودی عورت نے ان کے پاس آ کر یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں قبر کے عذاب سے بچائے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے تو میں نے آپ سے عذاب قبر کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا: ”نعم عذاب القبر حق“، جی ہاں قبر کا عذاب برحق ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی نماز پڑھتے تو اس کے بعد قبر کے عذاب سے پناہ مانگتے تھے۔ (بخاری شریف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے: ”اَللّٰھُمَّ إِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَاءِ وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ“۔ (بخاری شریف)

اے اللہ! میں قبر کے عذاب سے پناہ چاہتا ہوں اور جہنم کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے فتنہ سے اور دجال کے فتنہ سے بھی پناہ چاہتا ہوں۔

قبر کے احوال سنکر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا رونا:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایک مرتبہ ایک جنازے کے ساتھ تشریف لے گئے اور قبرستان میں پہنچ کر علیحدہ ایک جگہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگے، کسی نے عرض کیا کہ اے امیر المومنین! آپ ہی اس جنازے کے ولی ہیں، آپ ہی علیحدہ بیٹھ گئے، فرمایا ہاں مجھے ایک قبر نے آواز دے دی اور مجھ سے یوں کہا کہ اے عمر بن عبدالعزیز تو مجھ سے یہ نہیں پوچھتا کہ میں ان آنیوالوں کے ساتھ کیا کیا کرتی ہوں، میں نے کہا تو ضرور بتا، اس نے کہا ان کے کفن پھاڑ دیتی ہوں، بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہوں، سارا خون چوس لیتی ہوں، گوشت کھا لیتی ہوں اور بتاؤں کہ آدمی کے جوڑوں کے ساتھ کیا کرتی ہوں، مونڈھوں کو بانہوں سے جدا کر دیتی ہوں اور بانہوں کو پہنچوں سے جدا کر دیتی ہوں اور سرینوں کو بدن سے جدا کر دیتی ہوں اور سرینوں سے رانوں کو جدا کر دیتی ہوں اور رانوں کو گھٹنوں سے اور گھٹنوں کو پنڈلیوں سے اور پنڈلیوں کو پاؤں سے جدا کر دیتی ہوں یہ فرما کر عمر بن عبدالعزیز رونے لگے اور فرمایا کہ دنیا کا قیام بہت تھوڑا ہے، اور اس کا دھوکہ بہت زیادہ ہے، اس میں جو عزیز ہے وہ آخرت میں ذلیل ہے، اس میں جو دولت والا ہے وہ آخرت میں فقیر ہے، اس کا جوان بہت جلد بوڑھا ہو جائے گا اس کا زندہ بہت جلد مر جائے گا، اس کا تمہاری طرف متوجہ ہونا تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے، حالانکہ تم دیکھ رہے ہو یہ کتنی جلدی منہ پھیر لیتی ہے اور بیوقوف وہ ہے جو اس کے دھوکہ میں پھنس جائے، کہاں گئے اس کے وہ دلدادہ جنہوں نے بڑے بڑے شہر آباد کئے، بڑی بڑی نہریں نکالیں، بڑے بڑے باغ لگائے اور بہت تھوڑے دن رہ کر سب کو چھوڑ کر چل دئے وہ اپنی صحت اور تندرستی کے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں کہ صحت کے بہتر ہونے سے ان میں نشاط پیدا ہوا اور اس سے گناہوں میں مبتلا ہوئے، وہ لوگ خدا کی قسم! دنیا میں مال کی کثرت کی وجہ سے قابل رشک تھے، باوجود کہ مال کے کمانے میں ان کو رکاوٹیں پیش آتی تھیں مگر پھر بھی خوب کماتے تھے، ان پر لوگ حسد کرتے تھے، لیکن وہ بے فکر مال کو جمع کرتے رہتے تھے، اور اس کے جمع کرنے میں ہر قسم کی تکلیف کو خوشی سے برداشت کرتے تھے لیکن اب دیکھ لو کہ مٹی

نے ان کے بدنوں کا کیا حال کردیا اور خاک نے ان کے بدنوں کو کیا بنادیا، کیڑوں نے ان کے جوڑوں اوران کی ہڈیوں کا کیا حال کردیا وہ لوگ دنیا میں اونچی اونچی مسہریوں پر اونچے اونچے فرش اورنرم نرم گدوں پر نوکروں اورخادموں کے درمیان آرام کرتے تھے، عزیز واقارب، رشتہ داراور پڑوسی ہروقت دلداری کو تیار رہتے تھے لیکن اب کیا ہورہا ہے آواز دیکر ان سے پوچھ کہ کیا گزررہی ہے، غریب امیر سب ایک میدان میں پڑے ہوئے ہیں، ان کے مالدار سے پوچھ کہ اس کے مال نے کیا کام دیا، ان کے فقیر سے پوچھ کہ اس کے فقر نے کیا نقصان دیا، ان کی زبان کا حال پوچھ جو بہت چہکتی تھی، ان کی آنکھوں کو دیکھ جو ہرطرف دیکھتی تھیں، ان کی نرم نرم کھالوں کا حال دریافت کر ان کے خوبصورت اوردلربا چہروں کا حال پوچھ، کیا ہوا اس کے نازک بدن کو معلوم کر کہاں گیا اور کیڑوں نے ان سب کا کیا حشر بنادیا، ان کے رنگ کالے کردیئے، ان کا گوشت کھالیا، ان کے منہ پر مٹی ڈال دی، اعضاء کو الگ الگ کردیا، جوڑوں کو توڑ دیا، آہ! کہاں ہیں ان کے وہ خدام جو ہروقت حاضر ہوں، جی کہتے تھے، کہاں ہیں ان کے وہ خیمے اور کمرے جن میں آرام کرتے تھے، کہاں ہیں ان کے وہ مال اور خزانے جن کو جوڑ جوڑ کرر کھتے تھے، ان کے حشم وخدم نے ان کو قبر میں کھانے کے لئے کوئی توشہ بھی نہ دیا اوراس کی قبر میں کوئی بستر نہ بچھادیا کوئی تکیہ بھی نہ رکھ دیا، زمین ہی پر ڈال دیا، کوئی درخت پھول پھلواری بھی نہ لگادی، آہ! اب وہ بالکل اکیلے پڑے ہیں، اندھیرے میں پڑے ہیں، ان کے لئے اب رات دن برابر ہے، دوستوں سے مل نہیں سکتے، کسی کو اپنے پاس بلانہیں سکتے، کتنے نازک بدن مرد، نازک بدن عورتیں آج ان کے بدن بوسیدہ ہیں، ان کے اعضا ایک دوسرے سے جدا ہیں، آنکھیں نکل کر منھ پر گرگئیں، گردن جدا ہوئی پڑی ہے، منھ میں پانی پیپ وغیرہ بھرا ہوا ہے، اورسارے بدن میں کیڑے چل رہے ہیں، وہ اس حال میں پڑے ہیں اوران کی جوروؤں نے دوسرے نکاح کرلئے ہیں، وہ مزے اڑارہی ہیں، بیٹوں نے مکانوں پر قبضہ کرلیا، وارثوں نے مال تقسیم کرلیا مگر بعض خوش نصیب ایسے بھی ہیں جو اپنی قبروں میں بھی لذتیں اڑارہے ہیں، تروتازہ چہروں کے ساتھ راحت وآرام میں ہیں، لیکن یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اس دھوکے کے گھر میں اس گھر کو یادرکھا، اس کی امیدوں سے اس کی امیدوں کو مقدم کیا، اوراپنے لئے توشہ جمع کردیا اور اپنے پہنچنے سے پہلے جانے کا سامان کردیا، اے وہ شخص جو کل کو قبر میں ضرور جائیگا تجھے اس دنیا کے ساتھ آخر کس چیز نے دھوکہ میں ڈال رکھا ہے، کیا تجھے یہ امید ہے کہ یہ کمبخت دنیا تیرے ساتھ رہے گی، کیا تجھے یہ امید ہے کہ تو اس کوچ کے گھر میں ہمیشہ رہے گا، تیرے یہ وسیع مکان تیرے باغوں کے پکے ہوئے پھل تیرے نرم بستر ے تیرے گرمی سردی کے جوڑے یہ سب کے سب ایک دم رکھے رہ جائیں گے، جب ملک الموت آکر مسلط ہوجائے گا کوئی چیز اس کو نہ ہٹا سکے گی، پسینوں پر پسینے آنے لگیں گے، پیاس کی شدت بڑھ جائے گی اور جانکنی کی سختی میں کروٹیں بدلتا رہ جائے گا، افسوس صد افسوس اے وہ شخص جو آج مرتے وقت اپنے بھائی کی آنکھ بند کررہا ہے، اپنے بیٹے کی آنکھ بند کررہا ہے، اپنے باپ کی آنکھ بند کررہا ہے، ان میں سے کسی کو نہلا رہا ہے، کسی کو کفن دے رہا ہے، کسی کے جنازے کے ساتھ جارہا ہے، کسی کو قبر کے گڈھے میں ڈال رہا ہے، کل تجھے بھی یہ سب کچھ پیش آنا ہے اور بھی اس قسم کی باتیں فرمائیں، پھر دوشعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ آدمی ایسی چیز کے ساتھ خوش ہوتا ہے جو عنقریب فنا ہونے والی ہے اور لمبی لمبی آرزوؤں اور دنیا کی امیدوں میں مشغول رہتا ہے، ارے بیوقوف خواب کی لذتوں سے دھوکے میں نہیں پڑا کرتے، تیرا سارا دن غفلت میں گزرتا ہے، اور تیری رات سونے میں گزرتی ہے اورموت تیرے اوپر سوار ہے، آج تو وہ کام کررہا ہے کہ کل کو ان پر رنج کرے گا، دنیا میں چوپائے اسی طرح زندگی گزارتے ہیں جس طرح تو گزاررہا ہے، کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کا وصال ہوگیا۔ (مسامرات)

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں صرف اس پاک ذات کے لئے ہیں جس نے بڑے بڑے ظالم اور جابر لوگوں کی گردنیں موت سے مروڑ دیں، اور بڑے بڑے بادشاہوں کی کمریں موت سے توڑ دیں اور بڑے بڑے خزانوں کے مالکوں کی امیدیں موت سے ختم کر دیں، یہ سب لوگ ایسے تھے جو موت کے ذکر سے بھی نفرت کرتے تھے؛ لیکن اللہ کا جب وعدہ (موت کا وقت) آیا، تو ان کو قبر کے گڈھے میں ڈال دیا اور اونچے محلوں سے زمین کے نیچے پہنچادیا بجلی اور قمقموں کی روشنی میں اور نرم بستروں سے نکال کر قبر کے اندھیرے میں پہنچادیا، غلاموں اور باندیوں سے کھیلنے کے بجائے زمین کے کیڑوں میں پھنس گئے اور اچھے اچھے کھانے اور پینے میں لطف اٹھانے کے بجائے خاک میں لوٹنے لگے، اور دوستو! کی مجلسوں کے بجائے تنہائی کی وحشت میں گرفتار ہو گئے، پس کیا ان لوگوں نے کسی مضبوط قلعہ کے ذریعہ موت سے اپنی حفاظت کر لی، یا اس سے بچنے کے لئے کوئی دوسرا راستہ اختیار کر لیا، پس وہ ذات پاک ہے جس کے قہر اور غلبہ میں کوئی دوسرا شریک نہیں اور ہمیشہ رہنے کے لئے صرف اسی کی تنہا ذات ہے، کوئی اس کا مثل نہیں، پس موت ہر شخص کو پیش آنے والی ہے، اور مٹی میں جا کر ملنا ہے اور قبر کے کیڑوں کا ساتھی بننا ہے اور منکر نکیر سے سابقہ پڑنا ہے اور زمین کے نیچے مدتوں رہنا ہے اور وہ بھی بہت طویل زمانہ تک ٹھکانا ہے اور پھر قیامت کا سخت منظر دیکھنا ہے، اس کے بعد معلوم نہیں کہ جنت میں جانا ہے یا دوزخ ٹھکانا ہے، تو نہایت ضروری ہے کہ موت کی فکر ہر وقت آدمی پر مسلط رہے، اسی کے ذکر و تذکرہ کا مشغلہ رہے، اس کی تیاری میں ہر وقت مشغول رہے، اسی کا اہتمام ہر چیز پر غالب رہے اور اس کی آمد کا ہر وقت انتظار رہے کہ اس کے آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں، نہ معلوم کب آجائے، چنانچہ شاعر نے کہا ہے: ؎

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو بعض لوگوں کے ہنسی کی وجہ سے دانت کھل رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لذتوں کو توڑنے والی موت کو کثرت سے یاد کرتے تو وہ ان چیزوں میں مشغول ہونے سے روک دیتی جن سے ہنسی آئی، ہر شخص کی قبر روزانہ اعلان کرتی ہے کہ میں بالکل تنہائی کا گھر ہوں، میں سب سے علیحدہ رہنے کا گھر ہوں، میں کیڑوں مکوڑوں کا گھر ہوں، جب نیک بندہ دفن ہوتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے تیرا آنا مبارک ہو، تیرے آنے سے بڑی خوشی ہوئی، جتنے لوگ میری پشت پر چلتے تھے ان میں تو مجھے بہت پسند تھا، آج تو میری ماتحتی میں آیا ہے تو میں اپنا طرز عمل تجھے دکھاؤں گی، اس کے بعد وہ اتنی وسیع ہو جاتی ہے کہ جہاں تک مردے کی نظر جاتی ہے وہاں تک زمین کھل جاتی ہے اور ایک کھڑکی جنت میں کھل جاتی ہے، جس سے وہاں کی خوشبوئیں اور ہوائیں وغیرہ آتی ہیں۔

اور جب کوئی بدکار یا کافر دفن ہوتا ہے تو زمین اس سے کہتی ہے تیرا آنا نا مبارک ہے، تیرے آنے سے بہت جی برا ہوا، جتنے لوگ میری پشت پر چلتے تھے تو ان میں مجھے بہت ہی برا لگتا تھا آج تو میری ماتحتی میں آیا ہے تو میں اپنے طرز عمل تجھے دکھاؤں گی یہ کہہ کر وہ ایسی ملتی ہے (یعنی اس کو بھینچتی ہے) کہ مردے کی ہڈیاں، پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے میں ڈال کر بتایا کہ اس طرح ہڈیاں پسلیاں ایک جانب سے دوسری جانب گھس جاتی ہیں اور ستر اژدہے اس کو ڈسنا شروع کر دیتے ہیں، وہ ایسے زہریلے ہوتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی زمین کے اوپر پھونک مار دے تو قیامت تک زمین پر گھاس اگنا بند ہو جائے، یہ سب کے سب قیامت تک اس کو کاٹتے رہیں گے، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

قبر میں کیا ساتھ جائے گا:

قبر میں صرف انسان کا عمل ساتھ جائے گا، دنیوی راحت وآرام قبر کی زندگی میں کام نہیں آسکتا، جس طرح آدمی جب دوسرے ملک کے سفر پر جاتا ہے تو وہاں کی کرنسی اور وہاں کے چلنے والے نوٹ اور روپیوں کا انتظام ضروری ہوتا ہے، اسی طرح عالم برزخ اور عالم آخرت میں جانے سے پہلے وہاں چلنے والی کرنسی کو حاصل کرنا ضروری ہے اور وہاں کی کرنسی ایمان کامل اور عمل صالح ہے۔

موت کے وقت اور موت کے بعد مومن کا اعزاز:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک انصاری شخص کے جنازہ میں قبرستان میں حاضر تھے، ابھی قبر کی تیاری میں دیر تھی اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ تشریف فرما ہوگئے، ہم لوگ آپ کے اردگرد بیٹھ گئے، آپ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی جس سے آپ زمین کرید رہے تھے (جیسا کہ کوئی غمزدہ شخص کرتا ہے) پھر آپ نے سر مبارک اٹھایا اور ہم سے مخاطب ہوکر ارشاد فرمایا:

اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر سے پناہ چاہو، دو تین مرتبہ یہی جملہ ارشاد فرمایا پھر فرمایا کہ جب مؤمن بندہ کا دنیا سے رحلت اور آخرت میں حاضری کا وقت آتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے ایسے فرشتے اترتے ہیں جن کے چہرے سورج کی طرح چمکدار ہوتے ہیں، ان کے پاس جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے، یہ فرشتے اس کے سامنے تاحد نظر بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر فرماتے ہیں اے مطمئن روح! چل اللہ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف، پھر اس کی روح اس طرح سہولت سے نکل جاتی ہے، جیسے مشکیزہ کا بند کھولنے سے اس کا پانی بآسانی نکل آتا ہے، چنانچہ ملک الموت اس کی روح کو اپنے قبضہ میں کر لیتے ہیں، ان کے ہاتھ میں لیتے ہی دوسرے فرشتے جو دور تک بیٹھے ہوتے ہیں پل بھر بھی ان کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتے حتی کہ اسے لیکر اسی کفن اور خوشبو میں رکھ کر آسمان کی طرف چل دیتے ہیں، اس خوشبو کے متعلق ارشاد فرمایا کہ زمین پر جو بھی عمدہ سے عمدہ خوشبو مشک کی پائی گئی ہے اس جیسی وہ خوشبو ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ اس روح کو لیکر فرشتے (آسمان کی طرف) چڑھنے لگتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ کون پاکیزہ روح ہے وہ اس کا اچھے سے اچھا نام لیکر جواب دیتے ہیں جس سے دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے، اسی طرح پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور آسمان کا دروزاہ کھلواتے ہیں، چنانچہ دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور وہ اسے لیکر اوپر چلے جاتے ہیں حتی کہ ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، ہر آسمان کے مقربین دوسرے آسمان تک فرشتے اسے رخصت کرتے ہیں، جب ساتویں آسمان تک پہنچ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندہ کو کتاب علیین میں لکھ دو اور اسے زمین پر واپس لے جاؤ کیونکہ میں نے انسان کو زمین سے ہی پیدا کیا ہے اور اس میں ان کو لوٹا دوں گا اور اس سے ان کو دوبارہ نکالوں گا، چنانچہ اس کی روح اسکے جسم میں واپس کردی جاتی ہے، اس کے بعد دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں جو آکر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے، پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ کون صاحب ہیں جو تمہارے اندر بھیجے گئے؟ وہ کہتا ہے وہ اللہ کے رسولؐ ہیں، پھر اس سے دریافت کرتے ہیں تیرا عمل کیا ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اس پر ایمان لایا، اور اس کی تصدیق کی، اس کے بعد ایک منادی آسمان سے آواز دیتا ہے (جو اللہ کا منادی ہوتا ہے) کہ میرے بندے نے سچ کہا، سو اس کے لئے جنت کے بچھونے بچھادو اور اس کو جنت کے کپڑے پہنادو، اور اسکے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دو، چنانچہ جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے جس کے ذریعہ جنت کا آرام اور خوشبو آتی رہتی ہے، اور اس کی قبر اتنی کشادہ کردی جاتی ہے کہ جہاں تک اس کی نظر پہنچے،

اس کے بعد نہایت خوبصورت چہرے والا بہترین لباس والا پاکیزہ خوشبو والا ایک شخص اس کے پاس آ کر کہتا ہے کہ خوشی کی چیزوں کی بشارت سن لے یہ تیرا وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا، وہ کہتا ہے کہ تم کون ہو، تمہارا چہرہ حقیقت میں چہرہ کہنے کے لائق ہے اور اس لائق ہے کہ اچھی خبر لائے، وہ کہتا ہے کہ میں تیرا عمل صالح ہوں، اس کے بعد وہ خوشی میں کہتا ہے کہ اے رب قیامت قائم فرما، اے رب قیامت قائم فرما تا کہ میں اپنے اہل وعیال میں پہنچ جاؤں (اس سے جنت کی حوریں اور جنت کی نعمتیں مراد ہیں)۔

کافر کی ذلت:

بلا شبہ جب کافر بندہ دنیا سے جانے اور آخرت کا رخ کرنے کو ہوتا ہے تو سیاہ چہروں والے فرشتے آسمان سے اس کے پاس آتے ہیں، جن کے ساتھ ٹاٹ ہوتے ہیں اور اس کے پاس اتنی دور تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے پھر ملک الموت تشریف لاتے ہیں حتی کہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں، پھر کہتے ہیں اے خبیث جان! اللہ کی ناراضگی کی طرف نکل، ملک الموت کا یہ فرمان سن کر روح اسکے جسم میں ادھر ادھر بھاگی پھرتی ہے، لہٰذا ملک الموت اس کی روح کو جسم سے اس طرح نکالتے ہیں جیسے بھونی ہوئی بوٹیوں کو سیخ سے بھیگے ہوئے اون سے اُتاری جاتی ہیں، یعنی کافر کی روح کو جسم سے زبردستی اس طرح نکالتے ہیں جیسا بھیگا ہوا اون کانٹے دار سیخ پر لپٹا ہوا ہو اور اس کو زور سے کھینچا جائے، پھر اس کی روح کو ملک الموت (اپنے ہاتھ میں) لے لیتے ہیں، دوسرے فرشتے پل جھپکنے کی برابر بھی ان کے پاس نہیں چھوڑتے حتی کہ فوراً ان سے لیکر اس کو ٹاٹوں میں لپیٹ دیتے ہیں، اور ان ٹاٹوں میں سے ایسی بدبو آتی ہے جیسی کبھی کسی بدترین سڑی ہوئی مردہ نعش سے روئے زمین پر بدبو پھوٹی ہو، وہ فرشتے اسے لیکر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، اور فرشتوں کی جس جماعت پر بھی پہنچتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے، وہ اس کا برے سے برا نام لیکر کہتے ہیں جس سے وہ دنیا میں بلایا جاتا تھا کہ فلاں کا بیٹا فلاں ہے، حتی کہ وہ اسے لیکر پہلے آسمان تک پہنچتے ہیں اور دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں مگر اس کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاتا جیسا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا ہے:"لاتفتح لهم ابواب السماء ولايدخلون الجنة حتى يلج الجمل في سم الخياط"۔(سورہ اعراف)

ان کے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ کبھی جنت میں داخل ہوں گے، جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ چلا جائے (اور اونٹ سوئی کے ناکے میں جا نہیں سکتا، لہٰذا وہ جنت میں نہیں جا سکتے)۔

پھر اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ اس کو کتاب سجین میں لکھ دو جو سب سے نیچی زمین میں ہے، چنانچہ اس کی روح وہیں سے پھینک دی جاتی ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:" ومن يشرك بالله فكأنما خر من السماء فتخطفه الطير او تهوى به الريح في مكان سحيق"۔(سورۂ حج)

اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے گویا وہ آسمان سے گر پڑا، پھر پرندوں نے اس کی بوٹیاں نوچ لیں، یا اس کو ہوا نے دور دراز جگہ میں لیجا کر پھینک دیا۔

پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے کچھ پتا نہیں، پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ ہائے ہائے مجھے کچھ پتا نہیں، پھر اس سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ شخص کون ہے جو تمہارے اندر بھیجے گئے وہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے کچھ پتا نہیں، جب یہ سوال وجواب ہو چکتے ہیں تو آسمان سے ایک منادی آواز دیتا ہے اس نے جھوٹ کہا، اس کے نیچے آگ بچھا دو اور اس کے لئے دوزخ کا دروازہ کھول دو، چنانچہ دوزخ کا دروزاہ کھول دیا جاتا ہے اور دوزخ کی تپش اور سخت گرم لو آتی رہتی ہے اور قبر اس پر تنگ کر دی جاتی ہے، حتی کہ اس کی پسلیاں بھینچ کر آپس میں اِدھر کی اُدھر چلی جاتی ہیں، اور اس کے پاس ایک شخص

آ تا ہے جو بدصورت اور برے کپڑے پہنے ہوئے ہوتا ہے، اس کے جسم سے بری بدبو آتی ہے، وہ شخص اس سے کہتا ہے کہ مصیبت کی خبر سن لے یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا، وہ کہتا ہے تو کون ہے واقعی تیری صورت اسی لائق ہے کہ تو بری خبر سنائے گا، وہ کہتا ہے میں تیرا برا عمل ہوں، یہ سن کر وہ (اس ڈر سے کہ قیامت میں یہاں سے زیادہ عذاب میں گرفتار ہوں گا) یوں کہتا ہے کہ اے رب کریم قیامت قائم نہ کر۔(مشکوۃ شریف)

قبر میں اعمال صالحہ کی طرف سے میت کا وقاع :

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نیک بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے تو اس کے نیک اعمال نماز، روزہ، حج، جہاد اور صدقہ اس کے پاس آتے ہیں اور عذاب قبر کے فرشتے اس کے پیر کی جانب سے آتے ہیں، نماز کہتی ہے کہ تم اس سے دور رہو ادھر سے تمہارا راستہ نہیں ہے، اس پیر سے مسجد میں آیا ہے اور کھڑے ہو کر نماز پڑھی ہے، پھر سر کی طرف آتے ہیں تو روزہ کہتا ہے کہ ادھر سے تمہارا راستہ نہیں ہے، اس نے دنیا میں اللہ کے واسطے بھوک پیاس کی تکلیف اٹھائی ہے، پھر دوسری طرف آتے ہیں تو حج اور جہاد کہتے ہیں کہ تم اس سے دور رہو اس نے اپنے اوپر بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں، اور اللہ کے واسطے حج و جہاد کئے ہیں، ادھر سے تمہارا راستہ نہیں، پھر اس کے ہاتھ کی طرف سے آتے ہیں، صدقہ کہتا ہے کہ تم اس سے دور رہو اس نے ان ہاتھوں سے صدقہ دیا ہے، ادھر سے تمہارا راستہ نہیں، اس کے بعد سے غیب سے آواز آتی ہے کہ تجھ کو مبارک ہو زندگی میں تو اچھا تھا مرنے کے بعد بھی اچھا ہے، رحمت کے فرشتے جنت سے فرش لاتے ہیں اور اس کی قبر میں بچھاتے ہیں اور جہاں تک نگاہ پہنچتی ہے وہاں تک اس کی قبر کشادہ کردی جاتی ہے، اور موتی کی قندیل جنت سے لاکر اسکی قبر میں رکھتے ہیں، اور قیامت تک قبر روشن رہتی ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ قبر میں جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے وہ جنت کو دیکھتا ہے اور اس کی خوشبو پاتا ہے اور اس کے نیک اعمال کہتے ہیں کہ ہمارے لئے تو نے دنیا میں تکلیف اٹھائی آج ہم تیرے ساتھ رہیں گے، یہاں تک تجھ کو جنت میں پہنچائیں گے۔(نور الصدور صفحہ ۱۳۹)

ایصال ثواب اور صدقہ جاریہ کا فائدہ :

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے تھے جس گھر میں کوئی مرجاتا ہے اور گھر والے اس کی طرف سے صدقہ کرتے ہیں تو اس صدقہ کا ثواب حضرت جبرئیل علیہ السلام نور کے طبق میں رکھ کر اس کی قبر پر لیجاتے ہیں اور کھڑے ہو کر کہتے ہیں، اے قبر والو! یہ تحفہ تمہارے گھر والوں نے تم کو بھیجا ہے اس کو قبول کرلو، پس مردہ خوش ہوتا ہے اور اپنے ہمسایہ کو خوشخبری سناتا ہے اور اس کے ہمسائے جن کو کوئی تحفہ نہیں پہنچا ہے غمگین رہتے ہیں۔(نور الصدور صفحہ ۱۳۸)

مرنے کے بعد سات چیزوں کا ثواب ملتاھے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب مومن انتقال کرتا ہے تو اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے مگر سات چیزوں کا ثواب مرنے کے بعد بھی پہنچتا ہے، اول جس نے کسی کو علم دین سکھایا تو اس کا ثواب برابر پہنچتا رہتا ہے، جب تک اس کا علم دنیا میں جاری ہے، دوسرے یہ کہ اس کی نیک اولاد ہو اور وہ اس کے حق میں دعا کرتی رہے، تیسرے قرآن شریف یا کوئی نسخہ چھوڑا ہو، لوگ اسے پڑھتے ہوں، چوتھے مسجد بنوائی ہو، پانچویں یہ کہ مسافروں کے آرام کیلئے مسافر خانہ بنوایا ہو، چھٹے یہ کہ کنواں یا نہر کھدوائی ہو، ساتویں یہ کہ صدقہ اپنی زندگی میں دیا ہو، تو جب تک یہ چیزیں موجود رہیں گی ان سب کا ثواب پہنچتا رہے گا۔(نور الصدور صفحہ ۱۴۰)

قبر عالم برزخ میں ھے :

عالم تین ہیں: عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی قیامت تک پیدا ہونیوالی اولاد جب تک ان میں روح ہے، عالم دنیا میں ہے، قیامت کے قیام سے آخر تک عالم آخرت ہے۔

ان دونوں عالموں کے درمیان عالم برزخ ہے، برزخ کے معنی آڑ کے ہیں، برزخ عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان آڑ ہے، انسان کے بدن سے روح نکلنے کے بعد قیامت تک ارواح عالم برزخ میں ہی رہتی ہیں، چونکہ عام انسان اپنے مردوں کو دفن کیا کرتے ہیں، اس لئے احادیث شریفہ میں برزخ کی راحت وعذاب کے بارے میں قبر ہی کے لفظ آتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ جن انسانوں کو آگ میں جلادیا جائے یا پانی میں بہادیا جائے یا درندوں نے کھالیا ہو، ان کو برزخ میں راحت وعذاب سے دوچار نہیں ہونا پڑے گا، دراصل عذاب وثواب کا تعلق روح سے ہے، انسان میں دو چیزیں ہیں، ایک جسم اور دوسرے روح ہے، جب تک انسان کے بدن میں روح رہتی ہے، بدن حرکت کرتا رہتا ہے، ماں کے پیٹ میں جب نطفہ پر چار مہینے پورے ہوجاتے ہیں تو فرشتہ بحکم خدا روح ڈالتا ہے، حدیث ملاحظہ فرمائیں:

" عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه قال حدثنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم وهو الصادق المصدوق ان خلق احدکم یجمع فی بطن امه اربعین یوما نطفة ثم یکون علقة مثل ذلک ثم یکون مضغة مثل ذلک ثم یبعث الیه ملکا باربع کلمات فیکتب ما عمله واجله ورزقه وشقی او سعید ثم ینفخ فیه الروح"۔(مشکوۃ شریف صفحہ ۲۰)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک نطفہ جمع رکھا جاتا ہے، اس کے بعد چالیس دن علقہ یعنی جما ہوا خون رہتا ہے، پھر چالیس دن تک مضغہ یعنی گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالی فرشتہ کو بھیجتے ہیں جو اس کے عمل اور اس کی اجل (موت) اور اس کا رزق لکھ دیتا ہے اور یہ بھی لکھ دیتا ہے کہ یہ شقی ہے یا سعید ہے، پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔

پھر جب عمر پوری ہوجاتی ہے پھر اللہ تبارک وتعالی کے حکم سے حضرت ملک الموت اس کی روح نکال کر علیین یا سجین میں پہنچاتے ہیں جب تک بدن انسانی میں روح ہے، وہ انسان کام کرتا رہتا ہے، روح نکلنے کے بعد جسم مٹی کا ڈھیر ہے، یہ بدن گل سڑ جاتا ہے، ہاں البتہ کچھ خوش نصیب انسانوں کا جسم محفوظ رہتا ہے ان خوش نصیب انسانوں میں پہلا درجہ انبیاء علیہ الصلاۃ والسلام کا ہے، چنانچہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

" ان اللّٰہ حرم علی الارض اجسام الانبیاء"۔(ابوداؤد)

بیشک اللہ تعالی نے زمین پر انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ حرام فرمادیا ہے، اسی بنا پر اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے اجسام مبارکہ اپنی قبروں میں بلا کسی تغیر کے بعینہ محفوظ ہیں اور ان کو ایک خاص قسم کی حیات برزخی حاصل ہے اور بعض شہدائے اسلام کے اجسام مبارکہ بھی دفن کے سالہائے سال بعد صحیح سالم دیکھے گئے، اگرچہ ہر شہداء کے ساتھ ایسا ہونا لازم نہیں۔

علماء کرام نے بیان فرمایا ہے کہ اہل قبر کے حالات کا تعلق برزخ کی زندگی سے اسے دنیا کی زندگی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور اگر اس بارے میں قرآن کریم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایات سامنے نہ ہوتیں تو ہمیں ان حالات کا کچھ علم نہ ہو پاتا، اس لئے عافیت اور انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ صادق وامین علیہ الصلاۃ والسلام کے ارشادات عالیہ پر کامل یقین رکھتے ہوئے برزخی حالات پر ایمان لایا جائے اور اس کے متعلق کسی قسم کا شک وشبہ ذہن میں نہ رکھا جائے۔

آخری عرض گدا ہے شاہ سے — تا دم آخر نہ بھٹکوں راہ سے
سب سے بڑھ کر یہ عرض مختصر — خاتمہ کردے میرا ایمان پر
رتبوں کی تو کہاں ہے حیثیت — مغفرت ہو مغفرت ہو مغفرت
یہ مناجات اے خدا مقبول ہو — درگزر فرما اگر کچھ بھول ہو